

سنوار ایک مسحور کن شخصیت۔ جیسا کہ ہم نے انہیں دیکھا

مصنف: ابراہیم الدویری (موریٹاٹانی)

کوالا لپور۔ ملائیشیاء

ترجمہ و ترتیب: عرفان کرم

eelaforg@gmail.com

رہائی کے بعد قائد کی پہلی جھلک:

ہفتہ، 25 مارچ 2017 کی صبح، اسلامی مزاحمت کی تحریک (حماس) کے ایک بڑے تعداد میں قائدین اور اراکین نے غزہ کی ایک قدیم مسجد، المسجد العمري الكبير میں جمع ہوئے۔ سینکڑوں حماس کے کارکنان اور دیگر فلسطینی غزہ کے مختلف علاقوں سے نماز جنازہ میں شرکت کے لیے پہنچے تاکہ شہید کمانڈر مازن فقہا کی نماز جنازہ ادا کی جاسکے، جنہیں گزشتہ رات ان کی رہائش گاہ کے سامنے خاموش گولیوں سے ہلاک کیا گیا۔



مازن فقہا، جو 2011 میں قید سے رہا ہوئے، اسرائیلی حکومت کی جانب سے متعدد الزامات کا سامنا کر رہے تھے، جن میں سے ایک حماس کے مغربی کنارے میں خلیوں کی تشکیل اور قیادت کا کردار تھا۔ فقہا اس شہرت کے حقدار تھے، کیونکہ

انہوں نے اس قابض کو اپنے انجام سے پہلے ہی جان لیا تھا، جس کے بعد انہیں گرفتار کیا گیا اور 9 بار عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ جب وہ اسرائیلی فوجی گیلعاد شالیط کے بدلے 1,000 سے زائد فلسطینی قیدیوں کے ساتھ آزاد ہوئے تو انہوں نے اپنی جدوجہد دوبارہ غزہ سے شروع کی، جہاں انہیں بھیج دیا گیا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد جو شہید کے لیے دعا سے لبریز تھی، کچھ منٹ بعد، کئی نقاب پوش آئے، جنہوں نے مازن کی لاش کو حماس کے سبز پرچم میں لپیٹ کر لایا۔ وقار سے، اس کی لاش کو حاضرین کے سامنے نماز اور آخری الوداع کے لیے رکھا گیا۔ خاموشی میں، صرف حزن تھا، حتیٰ کہ کتاب القسام کا بیان بھی مختلط تھا، جو عام طور پر دشمن کے قدموں کے نیچے زمین کو ہلا دینے کی طاقتور زبان استعمال کرتی تھی۔

مسجد میں دوسرے صف میں حماس کے رہنما بیٹھے تھے، اور ان کے درمیان ایک درمیانہ قد کا آدمی تھا، جو قریب سے دیکھنے پر بھاری بھر کم نظر آتا تھا، اور دور سے پتلا نظر آتا تھا۔ وہ ایک ہلکی نیلی اور سفید قمیض میں تھے، جس پر کوئی ٹائی نہیں تھی، اور ان کے سر اور داڑھی میں چاندی کا رنگ غالب تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ یحییٰ السنوار تھے، جو آج سے ایک مہینہ پہلے غزہ میں حماس کے رہنما منتخب ہوئے تھے۔

یہ قابض ایک سخت مزاحمت کار کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ سنوار کے نئے قیادت کے سفر کا ایک واضح پیغام بھی تھا، جو مزاحمت اور قابض کے درمیان خفیہ

جنگ کی علامت رکھتا تھا؛ ایسا لگتا تھا جیسے اسرائیل حماس کے نئے رہنما کا استقبال ایک ایسی حیرت سے کرنا چاہتا ہے جو ان کی تیاری کو جانچتا ہے، اور انہیں یہ بھی یقین دلانا چاہتا ہے کہ ان کی سخت سیکیورٹی اور خفیہ جنگ کی مہارت انہیں ان کے مقاصد تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی، یہاں تک کہ وہ غزہ کی سرنگوں میں ہیں، جہاں کی حفاظت لیفٹیننٹ توفیق ابو نعیم کر رہے تھے، جو سنوار کے قریبی رفیق اور ان کے ساتھ قید میں کئی سال گزار چکے تھے۔

جب شہید مازن کا جسم کا چہرہ کھلا تھا، تو اسے دیکھنے کے لیے حماس کے رہنما آگے بڑھے۔ سنوار، جو بغیر کسی شوق کے تھے، اپنے ساتھی کی طرف جھک گئے، اس کا سر چوما، پھر اپنے ہاتھ کو نرمی سے اس کے چہرے پر پھیرا اور جھک کر اس کے کان میں چند لمحات تک کچھ کہا۔ پھر وہ نماز جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی آنکھوں سے آنکھوں کے پانی کو پونچھ لیا جو بغیر کسی روک ٹوک کے نکلے تھے۔

سنوار نے مازن کے کان میں کیا کہا؟ کیا انہوں نے ان کے ساتھ کیے گئے کسی عہد کی یاد دلائی؟ کیا انہوں نے انتقام کا وعدہ کیا؟ ہمیں اس راز کا علم نہیں، اور شاید ہمیں کبھی بھی معلوم نہیں ہوگا، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ غزہ کی سیکیورٹی فورسز نے چند ہفتوں میں تین فلسطینیوں کو قابض کی کاروائی میں اسرائیل کے ساتھ تعاون کرنے کے الزام میں گرفتار کیا، اور فوجی عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا

سنائی۔ اسرائیلیوں کی کشیدگی اس وقت کم ہو گئی جب سنوار نے اس وقت صرف ان خاتنوں کو پھانسی دی، جیسے وہ اپنی ابتدائی مہم کے دوران کرتے تھے۔

سنوار کے 3 قید خانے:

سنوار نے اس وقت براہ راست جواب دینے میں دلچسپی نہیں دکھائی، لیکن بعد میں جو ہوا، خاص طور پر 7 اکتوبر 2023 کو، ہمیں ایک ایسی شخصیت دکھائی جو تین سیاہ تاریک مراحل میں تیار ہوئی تھی: پناہ گزینی کیمپ سے جیل کی کوٹھری اور پھر دنیا کے سب سے بڑے کھلے قید خانے: غزہ۔ یہ تین قید خانے اسرائیلی قبضہ نے بنائے ہیں اور ان کے دباؤ کی فنون کو ڈیزائن کیا ہے، جو سب کا مقصد ایک ہی ہے: فلسطینیوں کو کچلنا۔

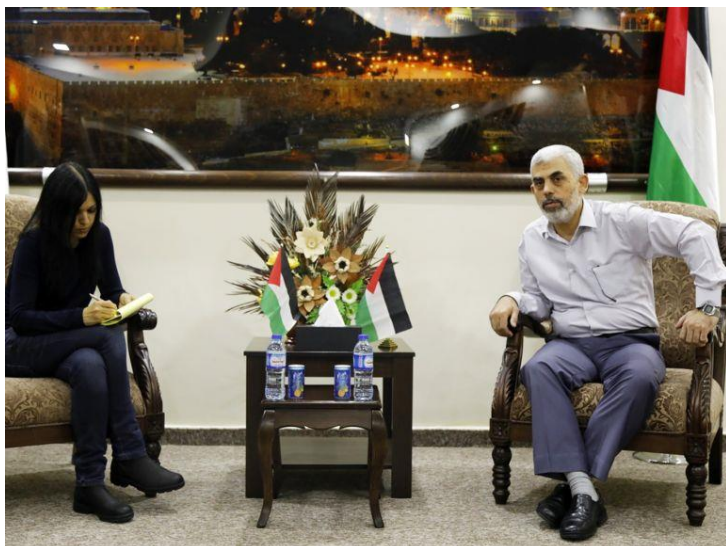
یہ تین قید خانوں کی حقیقت ذہنی، ثقافتی اور سیاسی دیواروں میں ہے، نہ کہ بلند دیواروں میں۔ اس لحاظ سے، قید خانہ ایک علامت ہے، جس کی تجلیات کیمپ، شہر، اور یہاں تک کہ اسکول میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں! ان قید خانوں کی ہر طاقت اپنی شکل کی مزاحمت پیدا کرتی ہے، اور جتنا زیادہ طاقتور ہے، اتنا ہی مزاحمت میں عزم بڑھتا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ سنوار کی قیادت کا عروج اس وقت ہوا جب ان کے سیاسی دفتر کے صدر اسماعیل ہنیہ کو تہران میں جولائی 2024 کے آخر میں شہید کر دیا گیا۔

اس طرح ہر طاقت میں اپنی فنا کا عنصر ہوتا ہے؛ جب مزاحمت جنم لیتی ہے تو یہ ایسے لگتا ہے جیسے یہ اس طاقت کے ساتھ متناسب واحد عمل ہے اور تاریخ کی حرکت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

کیمپ، قید خانہ، اور بعد میں غزہ میں، سنوار مزاحمت کی مضبوطی اور اس کے طریقوں کی وسعت کا سب سے واضح اظہار تھے، اور شاید ان کا یہ منطقی ترین روپ تھا۔ جب کہ قابض اپنے ہتھکنڈوں کے ذریعے وقت اور جگہ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اور قید خانوں میں زندگی کے قواعد و ضوابط کے تحت زندگی کا تعین کر رہا تھا، سنوار کی شخصیت بن رہی تھی اور اپنی سخت مزاحمت قائم کر رہی تھی۔

سنوار کا انٹرویو:

یہاں ہم یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ حماس کے نئے رہنما یحییٰ سنوار کا مادہ کیا ہے، اور کس طرح قبضہ کی جیلوں نے اس شخص کے اندر اثر ڈالا جسے تحریک کی قیادت نے ایک ہفتے سے بھی کم وقت میں متفقہ طور پر اپنے سیاسی دفتر کا صدر منتخب کیا۔



ہم کیمپ، قید خانہ، اور محاصرے کے شکار علاقے کی ان کی مسافت کا تجربہ کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ انہیں ایسا کیا عمل کرنے پر مجبور کیا جس نے قید خانہ کے نگران کو حیران کر دیا؟ اور انہوں نے دنیا کو ایک ہی شخص پر کیسے مرکوز کیا، اور کس طرح انہوں نے نئے معرکے کے قواعد نافذ کرنے میں کامیابی حاصل کی، چاہے وہ قابض ہو یا پوری دنیا، یا "بالطاوة" یعنی فلسطینی لہجے میں دھونس، جیسا کہ سنوار پسند کرتے ہیں کہ کہیں۔

شاید یحییٰ سنوار، یا ابوالبراہیم جیسا کہ انہیں جانا جاتا ہے، یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی ایک صحافی کے ساتھ گفتگو، جو اٹلی کے اخبار "لاریپوبلیکا" کی نمائندہ فرانچیسکا

بوری سے تھی، جو دعویٰ کرتی ہیں کہ انہوں نے ان کے ساتھ پانچ دن گزارے،
اسرائیلی اخبار "یدیعوت احرونوت" کی صفحات پر شائع ہوگا۔

غزہ خوبصورت تھا، اور آج بھی خوبصورت ہے۔ کیا تم نے دیکھا ہمارے نوجوان کتنے زبردست "ہیں؟ کیا تم نے ان کی صلاحیتیں دیکھیں؟ اور وہ کس حد تک تخلیقی اور دنیا کے لئے کھلے ہیں؟ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود! کچھ نوجوانوں نے، پرانے فیکس اور کمپیوٹر استعمال کرتے ہوئے، تھری ڈی پرنٹر بنایا تاکہ وہ طبی آلات تیار کر سکیں جنہیں ہمارے پاس آنے سے روکا گیا ہے! یہ ہے غزہ! ہم غریب اور ننگے بچے نہیں ہیں! ہم سنگاپور اور دبئی کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آؤ وقت کو اپنے حق میں کریں اور اپنے زخموں کو مندمل کریں۔

میں پچیس سال تک قید میں رہا، اور میرے اس ساتھی نے اپنے بیٹے کو کھودیا جو بمباری میں شہید ہوا، اور ہمارے مترجم نے اپنے دو بھائیوں کو کھویا، اور وہ شخص جس نے تمہیں چائے پیش کیا، اس کی بیوی ایک بیکٹیریا کی وجہ سے فوت ہو گئی جس کا علاج کوئی بھی فارماسسٹ آسانی سے اینٹی بائیوٹک سے کر سکتا تھا جو غزہ میں دستیاب نہیں تھی۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ آسان زندگی ہے؟ آئیے پہلے جنگ بندی کریں، آئیے اپنے بچوں کو وہ زندگی دیں جو ہمیں نہیں ملی۔ ایک مختلف "زندگی کے ساتھ، وہ ایک مختلف مستقبل بنا سکیں گے۔

یحییٰ السنوار — ایک اطالوی صحافی سے گفتگو کرتے ہوئے

اس لیے حماس کے رہنما کی حیثیت سے اپنے دفتر نے جلدی سے یہ وضاحت جاری کی کہ سنوار نے براہ راست اس اسرائیلی اخبار سے گفتگو نہیں کی، کیونکہ حماس کے ذرائع کا کہنا ہے کہ اٹلی کی صحافی نے صرف دو مختصر دورے غزہ میں کیے، ایک ملاقات کا اہتمام کرنے کے لیے، اور دوسری بار سنوار کے سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے۔

لیکن گفتگو کی گونج نے اسرائیلی حلقوں میں اتنا اثر ڈالا کہ یہ کسی تردید یا وضاحت سے دب نہیں سکی۔ صحافی بوری نے ایک ایسی تصویر پیش کی جو کہ اس سے بالکل مختلف تھی جو صحافت، میڈیا، اور یہاں تک کہ نصاب تعلیم میں حماس اور فلسطینی مزاحمت کے بارے میں بیان کی جاتی تھی۔

اس گفتگو میں سنوار نے "اسرائیل" کا کوئی لفظ نہیں کہا، بلکہ اس کی جگہ "فوج"، یا "نتن یاہو کی حکومت"، یا "دوسری جانب"، اور یقیناً: "قابلض" جیسے الفاظ کا استعمال کیا۔ انہوں نے کبھی بھی "یہودیوں" کے ساتھ دشمنی کا ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی "صہیونی ریاست" کی اصطلاح استعمال کی۔ اگرچہ اس طرح اسرائیل کا ذکر نہ کرنے کا موقف مغربی تنقید کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے، لیکن سنوار کی کہی گئی باتیں اس بات سے کہیں زیادہ اہم تھیں جو انہوں نے نہیں کہیں۔

یہ پہلی بار تھا کہ اسرائیلی صحافت نے غزہ میں حماس کے رہنما کو ایک ایسا شخص دکھایا جو جنگ سے نفرت کرتا ہے، امن چاہتا ہے، اور حالات کو بہتر بنانے کے لیے کوشش کر رہا ہے، اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ جیل نے اس کی شخصیت کو بنایا، لیکن وہ اپنے دشمنوں کے لیے جیل کی دعا نہیں کرتا، بشمول "وہ لوگ جو مسکراتے ہیں، اور یہ نہیں جانتے کہ ان کا انجام 25 سال بعد دی ہیگ کی عدالت میں ہو سکتا ہے۔"

سنوار کے دفتر نے اسرائیلی اخبار سے گفتگو کی تردید کی، لیکن انہوں نے ان تمام بیانات کی تردید نہیں کی جو ان سے منسوب کیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ ایک اور جنگ نہیں چاہتے، جس پر "یروشلم پوسٹ" نے یہ تبصرہ کیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، کیونکہ گفتگو سے پہلے کئی مہینوں میں حماس کے متعدد رہنما نے کہا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ ایک اور جنگ نہیں چاہتے، اور مصری اٹیلی جنس کے نمائندوں اور اقوام متحدہ کے نمائندوں نے یہ تصدیق کی کہ حماس کے مذاکرات کاروں نے وہی پیغام دہرایا: "ہمیں جنگ نہیں چاہیے، بلکہ غزہ پر سے محاصرہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

اسرائیلی سیاستدانوں نے اس سرے کو پکڑ لیا، اور تجزیہ کاروں نے کہا کہ سنوار امید کرتا ہے کہ متن یا ہواس کی جانب بات چیت کے لیے متوجہ ہوں گے، بجائے اس کے کہ وہ فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس کی طرف توجہ کریں۔ لیکن

اسرائیلیوں میں سب ایک رائے نہیں رکھتے تھے، سنوار کی شخصیت اسرائیل میں مطالعہ اور تجربے کا موضوع بنی رہی۔

گفتگو کے ایک مہینے بعد، اسرائیلیوں نے 11 نومبر 2018 کو سنوار کی قیادت کو آزمایا، جب ایک اسرائیلی فوجی دستہ، خصوصی یونٹ "سیرات منکل" کے تحت، خان یونس، سنوار کے آبائی شہر میں ایک خفیہ آپریشن انجام دینے کی کوشش کی، ایک عام گاڑی کا استعمال کرتے ہوئے جس میں کچھ فوجی خواتین کے لباس میں ملبوس تھے۔ کتاب القسام کے کمانڈر "نور الدین برکہ" نے اس یونٹ کو پہچان لیا، اور اس کے ذمہ دار افسر کو ہلاک کر دیا، جس کے بعد اسرائیلی فوجی نے خاموش گولی سے اس پر فائرنگ کی اور وہ شہید ہو گئے، اس کے بعد کتاب القسام اور ناصر صلاح الدین بریگیڈ کے مزاحمت کاروں نے کار کا پیچھا کیا، جو قریب کے زیتون کے باغ میں موجود ہیلی کاپٹر کی جانب فرار ہو گئی۔

اسرائیلی توپخانے اور فضائیہ نے فوجیوں کی واپسی کو کور کرنے کے لیے فائرنگ کی، اور چھ فلسطینیوں کو شہید کر دیا، مزاحمت نے جوابی کارروائی کی اور دودن تک جاری رہنے والی جھڑپوں کی ایک لہر شروع کر دی، اس کے بعد مصریوں نے مداخلت کی، اور مصری انٹیلی جنس کے چیف عباس کامل نے سنوار اور حماس سے ضبط نفس کا مطالبہ کیا، اور امن کی کوشش کی۔ دونوں فریقوں نے جنگ بندی پر

پہنچ گئے، جس کے بعد اسرائیلی وزیر دفاع آویگڈور لیبرمین نے استغفیٰ دے دیا، احتجاجاً "دہشت گردوں کے سامنے ہار ماننے" پر۔

لیبرمین کا استغفیٰ تل ابیب کے فیصلے پر آگے بڑھنے پر اثر انداز نہیں ہوا، کیونکہ اسرائیلی آخر کار اس بات پر قائل ہو گئے کہ حماس ایک نئی تصادم میں داخل ہونے کی خواہش نہیں رکھتی! خان یونس کی کارروائی ایسی لگ رہی تھی جیسے یہ نہ صرف ان قواعد کے تصدیق کی جس کی توقع اسرائیلیوں نے کی تھی، بلکہ اس بڑی جیل کے قواعد و ضوابط کی بھی تصدیق کی جو کھانے، کام، پیسے، اور یقیناً: جنگ اور جنگ بندی کو منظم کرنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔

یہی قواعد و ضوابط اسرائیل نے مغربی کنارے کے بڑے حصے میں بھی نافذ کیے ہیں۔ اور شاید یہی چیز لیبرمین کو غصہ دلاتی تھی، کیونکہ ہار ماننے کا مطلب یہ تھا کہ اسرائیل نئی جنگی قواعد و ضوابط کو قبول کر رہا ہے، جو مزاحمت کی جانب سے خلاف ورزیوں کے جواب کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو غزہ کے کھلے قید خانے کے باسی کہلائے جاسکتے ہیں، پہلی بار اپنے دشمن کی طویل المدتی منصوبوں کو حیران کر دیتے ہیں۔

لیکن حماس کے رہنما اس ڈسپلن کے کردار میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اسرائیلیوں کا قائل ہونا سنوار کے بیانات کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ حماس نے کنفیوز

کردینے کے پیغامات بھیجنے کی کوشش کی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اگر سنوار چاہیں تو بھی وہ تحریک کے مختلف درجوں کو اسرائیل کے خلاف جنگ شروع کرنے پر قائل نہیں کر سکتے۔

سنوار نے یہ بھی کامیابی سے قابض کو یہ یقین دلایا کہ وہ لوگ جو غزہ کے قید خانے کے باسی کہلائے جاسکتے ہیں، وہ مغربی کنارے میں اپنے ہم نسلوں کے غیر تحریری قواعد کی پابندی کرتے ہیں۔

حماس کی سیاسی کمیٹی کے رکن، صلاح البردویل نے فرانسیسی اخبار "لوفیگارو" کے نمائندے کو بتایا تھا کہ 2017 میں جب یحییٰ السنوار غزہ میں حماس کے سربراہ منتخب ہوئے، تو حماس کی سیاسی پالیسی ان کی حکمرانی کو طے کرتی ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔ انہوں نے ایک حیرت انگیز موازنہ بھی کیا، لیبرمین کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: "لیبرمین کو یاد رکھیں، جب وہ اپوزیشن میں تھا تو اس نے غزہ کو جلانے کی دھمکی دی تھی، لیکن حکومت میں شامل ہونے کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گیا۔" البردویل نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مزید کہا: "آپ یحییٰ السنوار کے معاملے میں بھی ایسا ہی توقع کر سکتے ہیں۔"



شہید نور الدین برکہ اور ان کے ساتھیوں کی یاد میں منعقدہ تقریب میں، السنوار نے فلسطینی عوام کے لیے تعاون فراہم کرنے والے امداد دہندگان کا شکریہ ادا کیا اور وضاحت کی کہ غزہ کے لوگوں اور غریبوں نے اس امداد سے کیسے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے سوال کیا: "دشمن نے کیا سوچا تھا جب اس نے ڈالر اور ڈیزل کو داخل ہونے دیا؟ کیا انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم اپنا خون بیچ رہے ہیں؟" پھر انہوں نے قرآن کریم کی آیت کا حوالہ دیا، جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے: {اَتْمِدُّوْنَ بِمَالِ!؟... اَرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِخُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا اَذَلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ} سورة النمل 36۔ کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو، جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے۔ ان کے پاس

واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے۔

جب اسرائیلیوں کو السنوار کی دھمکی کو سنجیدگی سے لینا چاہیے تھا، انہوں نے اسے نظر انداز کیا۔

اسرائیلی سکیورٹی اداروں کا اندازہ یہ تھا کہ السنوار حکومت پر توجہ دینا چاہتے ہیں نہ کہ لڑائی پر، اور ان کے لیے فلسطینی اتھارٹی ایک بہترین مثال ہے۔ اسی بنا پر سکیورٹی اداروں اور فوج نے غزہ کی جیل کی نگرانی کو کم کر دیا، اور تھرمل اور الیکٹرانک سینسرز پر انحصار کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ غزہ کی سرحدوں سے فوجیوں کو نکال کر مغربی کنارے کی بستیوں کی حفاظت کے لیے تعینات کر دیا۔

اسرائیلی تجزیہ کاروں نے ایران اور شام میں جو خطرہ دیکھا، وہ انہیں فلسطینیوں میں نظر نہیں آیا۔ جیسا کہ "یدیعوت احرونوت" کی تجزیہ کار، شین آر تزی سرور نے کہا۔

قید کرنے والے کو قیدی کے سر تسلیم خم کرنے پر اطمینان تھا، جسے مزید تقویت اس بات سے ملی کہ السنوار نے فلسطینی اتھارٹی کے توسط سے اسرائیلیوں کو 18,000 سے زیادہ فلسطینیوں کو روزگار کے لیے اسرائیل میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر قائل کیا، جس نے اسرائیلیوں کو السنوار کے حکومتی عزائم کا ایک

اور تاثر دیا اور انہیں اسرائیل کے اندرونی معاملات کے بارے میں کافی معلومات فراہم کیں۔

اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ السنوار نے اگست میں ایک تحریری پیغام بھیجا تھا، جسے انہوں نے مذاکرات کے کاغذات میں چھپا کر مصری ثالثوں کے ذریعے نیتن یاہو تک پہنچایا، جس میں صرف دو عبرانی الفاظ تھے، اور وہ نیتن یاہو کو ایک "حساب شدہ خطرہ" لینے کی دعوت دیتا تھا جس کا مقصد ایک طویل مدت کی جنگ بندی تھی تاکہ غزہ کو اقتصادی طور پر سکھ کا سانس مل سکے۔

ایک صابر لیڈر:

اس دوران، حماس نے اسلامی جہاد کو لڑائی میں سبقت لینے دی، اور کئی مواقع پر حماس نے کشیدگی سے گریز کیا، جن میں سب سے نمایاں موقع یروشلم میں اسرائیلی پرچموں کی ریلی تھی، جو 2021 اور 2023 کے درمیان مشرقی یروشلم پر اسرائیل کے قبضے کی یاد میں دائیں بازو کے اسرائیلی گروپوں نے منعقد کی تھی۔

السنوار کی قیادت میں غزہ میں حماس نے صبر کی حکمت عملی اپنائی۔ جب کہ حماس کے کارکن اور القسام بریگیڈ قیادت پر جوابی کارروائی کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے، السنوار نے جواب دیا کہ آنے والا رد عمل زبردست ہوگا۔ حماس کے سیاسی دفتر کے رکن اور سابق وزیر صحت، باسم نعیم کہتے ہیں کہ السنوار سب کو ایک بڑے واقعے

کے لیے تیار کر رہے تھے، اور جوابی کارروائی کے مطالبے کرنے والوں کو جواب دیتے کہ "صبر کریں، ہم زمین کو ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیں گے۔"

جب دنیا کی نظریں قطر کے دارالحکومت دوحہ میں مراکش اور فرانس کے درمیان فٹبال کے ورلڈ کپ کے سیمی فائنل کی طرف لگی ہوئی تھیں، 14 دسمبر 2022 کو السنوار اپنے منصوبے پر عمل کر رہے تھے۔ حماس کی 35 ویں سالگرہ کے موقع پر خطاب میں، جس کا عنوان تھا "ہم ایک زبردست طوفان لا رہے ہیں!" عالمی میڈیا نے اس کی اہمیت کو سات اکتوبر کے حملے کے بعد محسوس کیا۔ السنوار نے اپنی اور حماس کی قیادت اور ارکان پر اللہ کے احسانات کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ "کبھی انہیں اسرائیلی شہابک ان کے کمروں سے اٹھالے جاتا تھا، اور آج وہ اپنی معلومات کے نظام سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں، اور اپنا اسلحہ بنا رہے ہیں اور بغیر کسی حد یا شمار کے راکٹ داغ رہے ہیں، یہ محض دھمکیوں یا بیانات کا کھیل نہیں۔"

السنوار کا آخری بیان جو اسرائیلیوں کے کانوں میں گونجا وہ ان پر عائد کیے گئے ایک الزام کا تذکرہ تھا، جسے انہوں نے اپنے لیے فخر کی بات قرار دیا کہ وہ غزہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود اور باعزت زندگی کے لیے کوشاں ہیں، اور اس سے اسرائیلی حلقوں کو یقین ہو گیا کہ السنوار، ان کی تحریک اور مزاحمتی گروہ محاصرے اور مسلسل جنگوں کے بعد مرعوب ہو چکے ہیں۔

قید کے دوران:

قیدی نے اپنے قید کرنے والے کے ساتھ چالاکی اور فہم و فراست میں سبقت لی اور السنوار نے نتن یاہو کے دماغ میں اپنی مرضی کا تاثر قائم کر دیا۔ البتہ اسرائیلیوں نے السنوار کے دماغ میں جو پیدا کیا، وہ ایک الگ کہانی ہے!

جب 2000 کے وسط میں اسرائیلی فوج کی اعلیٰ افسر اوریت ادا تو نے اسرائیل کی جیلوں کی وارڈن کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی، تو ان جیلوں میں تقریباً 600 فلسطینی قیدی تھے، اور یحییٰ السنوار ان کے قائدین میں شامل تھے، بلکہ شاید سب سے خطرناک تھے۔

کچھ مہینوں بعد، ستمبر میں، انتفاضہ الاقصیٰ کا آغاز ہوا، اور آنے والے مہینوں اور سالوں میں اسرائیل نے ہزاروں فلسطینیوں کو گرفتار کیا، جن میں انتفاضہ اور فلسطینی تنظیموں کے قائدین بھی شامل تھے جن پر اسرائیل کی جانب سے جنگی کارروائیوں کی قیادت اور اسرائیلیوں کو قتل کرنے کا الزام تھا، جیسے کہ مروان البرغوثی، جو مغربی کنارے میں تحریک فتح کے سیکرٹری تھے؛ عباس السید، مغربی کنارے میں القسام بریگیڈ کے کمانڈر، جنہیں اسرائیل نے اپنے پاس موجود خطرناک ترین قیدی قرار دیا؛ عبداللہ البرغوثی، جو اسرائیلی جیلوں میں سب سے

طویل قید کی سزا کاٹ رہے ہیں؛ اور احمد سعدات، جو پاپولر فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین کے جنرل سیکرٹری تھے۔

قابض افسران کا کہنا تھا کہ انہوں نے قیدیوں کے نئے چہروں کو السنوار سے زیادہ اہمیت دی، حالانکہ ان میں سے کچھ ان کے شاگرد تھے جو ان کی زیر قیادت مزاحمت میں سرگرم ہوئے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسرائیل نے ان کے ساتھ نسبتاً نرم رویہ اختیار کیا، خاص طور پر جب انہیں براہ راست اسرائیلیوں کو قتل کرنے کے بجائے، اسرائیل کے ساتھ تعاون کرنے والے فلسطینیوں کو قتل کرنے کا الزام دیا گیا تھا، جو اسرائیلیوں کی نسبت کم اہمیت رکھتے تھے۔

اب اسرائیل اس غلط اندازے کی قیمت سمجھتا ہے کہ السنوار کی رہائی ان کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی، کیونکہ وہ نہ صرف ہر طرح کی مزاحمت پر یقین رکھتے تھے، بلکہ کوئی اور حماس کار ہنما اسرائیل کو اتنا قریب سے نہیں جانتا تھا جتنا کہ السنوار جانتے تھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ اسرائیلی قید کرنے والے السنوار کے اسرائیلی خون سے خالی ہونے کی فکر میں اتنے گم ہو گئے کہ ان کی شخصیت کو حقیقی طور پر سمجھنے میں ناکام رہے۔

جیل میں سنگین طبی مسئلہ اور سرجری:

اسی لیے جب السنوار میں ایک سنگین بیماری کی علامات ظاہر ہوئیں اور فلسطینی قیدیوں نے بغاوت کی دھمکی دیتے ہوئے ہڑتالیں شروع کیں، تو قابض حکام نے ان کی زندگی بچانے کو کوئی وجودی خطرہ نہیں سمجھا۔

نظریاتی طور پر، چاہے السنوار کو کتنی ہی طبی سہولتیں کیوں نہ دی جائیں، انہیں زندہ جیل سے باہر نہیں جانا تھا۔ انہیں 451 سال قید کی سزا سنائی گئی تھی، اور انہیں طبی غفلت سے موت دینا جیلوں کے اندر اور باہر بے جا تشویش پیدا کر سکتا تھا، جیسا کہ شیخ احمد یاسین نے 90 کی دہائی کے آخر میں ایک گفتگو میں اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ اسرائیلی حکام قیدیوں کی طبی غفلت سے موت کے معاملے پر پریشان رہتے ہیں۔

شاید اسی خوف نے قابض حکام کو السنوار کے علاج اور مناسب طبی سہولیات فراہم کرنے پر مجبور کیا، حالانکہ ان پر اسرائیلی فوجیوں کو اغوا اور قتل کرنے، حتیٰ کہ حماس کے سیکورٹی ڈھانچے اور عسکری ونگ کی بنیاد رکھنے کا الزام تھا۔

2004 میں السنوار میں دماغی رسولی کی علامات ظاہر ہوئیں، اور معائنے کے بعد ان کی سرجری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یوفال بیتون، جو اسرائیلی جیلوں میں دس سال تک ڈاکٹر کے طور پر کام کرتے رہے اور بعد میں انٹیلی جنس شعبے کے سربراہ بن گئے، نے بتایا کہ وہ ان ڈاکٹروں میں شامل تھے جنہوں نے السنوار کا علاج کیا۔

بیٹون نے بتایا کہ اسرائیلیوں نے ایک نازک سرجری کی جو سات گھنٹے تک جاری رہی اور جو بڑا سبج کے سور و کا اسپتال کی دوسری منزل پر انجام دی گئی۔ اس کے بعد السنوار کو جیل واپس بھیجا گیا، جہاں وہ پہلے ہی پندرہ سال گزار چکے تھے، تاکہ وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ اپنے کام کو جاری رکھ سکیں اور اپنی قید کی مدت پوری کر سکیں جس میں سے ابھی چار صدیوں کی سزا باقی تھی!

یہی السنوار کو پہلی بار 1982 میں گرفتار کیا گیا۔ اس مرحلے پر، جیل میں موجود قیدیوں میں اسلامی شناخت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے فلسطینی آزاد قومی تنظیم کے قیدیوں کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔ السنوار اس وقت 19 سال کا طالب علم تھا جب وہ اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ کے ساتھ مل کر جنین کیمرپ گیا، تاکہ وہاں اسرائیلیوں کی جانب سے زہر دی جانے والی چند فلسطینی خواتین کی عیادت کر سکے۔

اس دورے کے جواب میں، السنوار کو گرفتار کیا گیا، لیکن ایک ہفتے بعد رہائی ملی، جس کے بعد اسے دوبارہ گرفتار کیا گیا اور بغیر کسی الزام یا مقدمے کے چھ ماہ تک انتظامی حراست میں رکھا گیا۔ اس مرحلے پر السنوار نے صلاح شحادہ سے ملاقات کی، جو اس وقت غزہ میں اسلامی تحریک کے سیکوریٹی کام کے ذمہ دار تھے۔ یہ

سیکیورٹی کام ابتدائی طور پر حفاظتی آگاہی پر مرکوز تھا، لیکن بعد میں یہ بڑھتا گیا، اور شہادہ نے 2002 میں شہادت تک القسام کی فوج کی قیادت کی۔

شیخ احمد یاسین کے معتمد:

السنوار نے جیل سے رہائی کے بعد دوبارہ جیل کی راہ لی۔ 1985 میں، اسلامی تحریک کے ساتھ سرگرمیوں کے باعث اسے آٹھ مہینے کی قید کی سزا سنائی گئی۔ اس دوران، اسے شیخ احمد یاسین کی جانب سے اعتماد حاصل ہوا، جیسا کہ اسرائیلی ذرائع کا دعویٰ ہے۔ نھاد الشیخ خلیل، جو کہ غزہ کی اسلامی یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد ہیں، کے مطابق السنوار کو اس اعتماد کی وجہ سے حاصل ہوا کہ وہ طلبہ کی تحریک میں کام کرتا رہا ہے، جس پر شیخ احمد یاسین نے براہ راست توجہ دی۔

جیل سے رہائی کے بعد، السنوار نے اپنی قابلیت کا ثبوت دیا اور شیخ یاسین کے اعتماد کو برقرار رکھا۔ شیخ یاسین نے مئی میں جیل سے رہائی کے بعد، اسرائیلی انٹیلیجنس کی نظروں سے بچنے کے لیے ایک سال تک جماعت سے دور رہنے کا فیصلہ کیا، لیکن اس نے السنوار کو مخبروں سے نمٹنے کی ذمہ داری سونپی۔

مجد کی بنیاد:

السنوار نے "مجد" نامی ایک سکیورٹی اور تبلیغی تنظیم قائم کی، جو اسلامی تحریک کے ارکان کی سکیورٹی تربیت فراہم کرتی تھی اور اسرائیل کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو پکڑتی تھی۔ یحیی السنوار، جس کی عمر اس وقت 23 سال تھی، فلسطین میں ایک اہم کردار بن گیا۔ اس کے بعد، اسے جنوری 1988 میں تیسری اور آخری بار گرفتار کیا گیا، ایک ماہ بعد جب پہلی انتفاضہ کا آغاز ہوا اور اسلامی مزاحمتی تحریک (حماس) کی باقاعدہ تشکیل ہوئی۔

ایک سال سے زیادہ عرصے تک، اسرائیلی حکام کو السنوار سے مزاحمت کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ میخاکوبی، جو اسرائیلی داخلی سکیورٹی ایجنسی "شین بیت" کے سابقہ تحقیقات کے سربراہ تھے، نے کہا کہ اس نے السنوار سے 150 گھنٹے سے زیادہ وقت تک پوچھ گچھ کی، اور السنوار نے اسے بتایا کہ وہ شہید ہونے کو ترجیح دے گا، بجائے اس کے کہ وہ بولے۔

1989 میں، جب انتفاضہ کی شدت میں اضافہ ہوا، اسرائیلی حکام نے شیخ احمد یاسین اور تحریک کے متعدد ارکان کو گرفتار کیا۔ کچھ قیدیوں نے یحیی السنوار کے کردار کا ذکر کیا، جس سے اسرائیلی حکام نے اس اہم قیدی کی قدر کو سمجھ لیا۔ کوہی نے برطانوی اخبار "ٹائمز" کو بتایا کہ اس نے شیخ احمد یاسین سے کہا کہ وہ السنوار کو سچ بولنے کے لیے کہے، اور یاسین نے اس کی درخواست پر عمل کیا۔

کچھ عرصے بعد، کوہی نے دعویٰ کیا کہ السنوار نے اسرائیل کے بارہ مخبروں کے قتل کا اعتراف کیا، اور اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھ ہونے والی تحقیقات میں یہ تفصیلات موجود ہیں کہ السنوار نے ان مخبروں کو کس طرح قتل کیا۔ اخبار میں، السنوار نے کہا کہ جب اس نے ایک مخبر کو مارا، تو اس نے اسے دفن کرنے سے پہلے کفن دیا، اور اس کا کہنا تھا کہ اس نے صرف اسی وقت اسے مارا جب اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور یہ کہ وہ خیانت کے بدلے اس انجام کا مستحق تھا۔

ایک اور بیان میں، میخا کوہی نے "فائنیشنل ٹائمز" کو بتایا کہ السنوار نے تین ایسے قیدیوں کو مارا جو اسرائیل کے ساتھ تعاون کرتے تھے، جنہیں "عصافیر" (جاسوس چڑیا) کہا جاتا تھا، اور اس نے یہ سب کچھ چاکو سے کیا۔ اس کے نتیجے میں جیل کی انتظامیہ نے السنوار کو کئی سال تک انفرادی حراست میں رکھا، جہاں اس نے متعدد بیماریوں کا سامنا کیا۔

اسرائیلی انٹیلیجنس کے ایک اہلکار کی گواہی مجروح سمجھی جاتی ہے، نہ صرف اس لیے کہ السنوار ان کا دیرینہ حریف ہے اور وہ اسے "اسرائیل کی تاریخ کی بدترین غلطی" قرار دیتا ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ جو کہانیاں وہ سنوار کے بارے میں بیان کرتا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہیں اور ان میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے، تاکہ السنوار کو شیطانی صورت میں پیش کیا جاسکے۔ یہ کہانیاں عالمی میڈیا میں بھی شائع ہوئیں،

حالانکہ ان پر یقین کرنا مشکل ہے، جیسا کہ وہ کہانی جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ السنوار نے ایک منجر کے بھائی کو زندہ دفن کرنے کا حکم دیا، اور اسے اس کام کے لیے چھچھکا استعمال کرنے پر مجبور کیا۔ یہ کہانی سننے میں ہنسی مذاق سے زیادہ لگتی ہے اور اس کے ذریعے السنوار کی مبینہ وحشت کا ڈر پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ آزاد قیدیوں اور دیگر معتبر ذرائع کی جانب سے بتایا گیا ہے۔



جزیرہ نیٹ کے ساتھ ایک گفتگو میں، آزاد قیدی اور حماس کی سیاسی دفتر کے رکن، زاہر جبارین، (اوپر تصویر میں) نے کہا کہ اسرائیلی بیانات السنوار اور قیدیوں کے بارے میں عموماً بگاڑ اور مبالغے پر مشتمل ہیں۔ جبارین نے یحیی السنوار کے ساتھ 15 سال سے زیادہ وقت جیل میں گزارا اور کہا کہ اس نے پہلی بار 1995 میں بیڑا السبع جیل کے کمرے نمبر 4 میں ملاقات کی۔

جبارین وضاحت کرتے ہیں کہ اسرائیلی دعوے کہ مزاحمت یا مجد کے ادارے نے ممکنہ مخبروں کے ساتھ جس طرح کا سلوک کیا، یہ سب حقیقت سے دور ہیں۔ کیونکہ یہ ادارہ انفرادی طور پر کام نہیں کرتا تھا، اور کسی بھی مشتبہ شخص کے ساتھ سلوک کرنے کا فیصلہ تنہائی میں نہیں لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی غلطی ہوتی تو غلطی کرنے والے کو جوابدہ کیا جاتا۔ "مشتبہ افراد کی شناخت کے لیے دس یا کبھی بارہ مراحل ہوتے ہیں، اور پھر پیشہ ورانہ ادارے کے ذریعے تحقیقات کی جاتی ہیں۔"

ایک مختصر محاکمہ کے بعد، جس میں جیل کے نگراں نے السنوار کی ہمت توڑنے اور اسے پچھتاوے پر مجبور کرنے کی کوشش کی، عدالت نے اسے چار بار عمر قید کی سزا سنائی، جس کی مجموعی سزا 426 سال تھی۔ تو السنوار کا کیا جواب تھا؟ اس نے کہا کہ یہ سب اسرائیل کی تعلیم، قیدیوں کی تیاری، اور یقیناً مخبروں کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھنا ہے!

آپ محاصرے میں ہیں اور کوئی راستہ نہیں!

اسرائیل کی جانب سے کی جانے والی سختیوں کے باوجود، السنوار نے جیل میں مخبروں کے قتل کو روک دیا، مگر اس نے ان کے خلاف لڑنے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ اس نے قیدیوں کو یہ سکھانے کی کوشش کی کہ وہ مخبروں کا کیسے پیچھا

کریں، اور اسرائیلی ذہنیت کو سمجھنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ السنوار نے اسرائیلی معاشرے، رہنماؤں، اور ان کی نفسیات کا مطالعہ کیا۔

اس نے اسرائیلی رہنماؤں کی یادداشتیں پڑھیں، عبرانی زبان سیکھی، اور اسرائیلیوں کے ساتھ بات چیت کے دوران عبرانی میں بات کرنے کو ترجیح دی، چاہے وہ عربی بول رہے ہوں۔ اس نے دورہ کرنے کی تعلیم حاصل کی، روزانہ کی خبریں پڑھیں، اور ایک سابق اسرائیلی جیل کے افسر کے مطابق، وہ "اسرائیلی چینلز کا عادی" بن گیا۔

2004 میں ایک آپریشن کے بعد، السنوار نے جیل میں اسرائیلی صحافی یورام بینور کے ساتھ ایک انٹرویو میں جنگ بندی کی امید کا اظہار کیا اور اسرائیل کی ایٹمی طاقت کی اہمیت کا ذکر کیا۔ انٹرویو کے بعد، السنوار نے اپنے ڈاکٹر یوفال بیٹن سے کہا کہ اسرائیل کو اپنی طاقت پر غرور نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ ایک نازک وجود ہے۔ اس نے کہا، "بیس سال کے اندر اسرائیلی معاشرے میں سیکولر اور مذہبی لوگوں کے درمیان تناؤ بڑھے گا، اور ریاست کمزور ہوگی۔ اُس وقت میں تم پر حملہ کروں گا!" جیسا کہ بیٹن یاد کرتے ہیں۔

جیل تعلیمی و تربیتی سرگرمیاں:

ان کے جیل کے ساتھی زاہر جبارین نے بتایا کہ السنوار نے صرف اسرائیلی ثقافت، فکر اور سیاست کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ یہودی مذہب اور تلمودی نصوص کا بھی مطالعہ کیا۔ وہ ہمیشہ دنیا کے ساتھ رابطے میں رہتا تھا، خاص طور پر الجزیرہ چینل کے ذریعے جسے وہ مستقل دیکھتا تھا، اور جیل کی لائبریریوں میں کتابیں، اخبارات، اور روزنامے پڑھتا تھا۔ اس کے علاوہ، وہ بیرون ملک رابطے کے لیے بھی غیر قانونی فون استعمال کرتا تھا۔



السنوار نے قیدیوں کو سیکورٹی کے مسائل سکھانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ انہیں عربی زبان کے قواعد اور خطاطی کا فن بھی سکھاتا تھا۔ جبارین نے کہا کہ وہ قیدیوں کو عبرانی زبان بھی سکھاتا تھا، اور معلومات کی موثر ترسیل میں مہارت رکھتا تھا۔

آزاد قیدی تیسرے سلیمان، جو 1990 کی دہائی کے ابتدائی حصے میں السنوار کے ساتھ دو سال گزار چکے ہیں، نے کہا کہ السنوار نے جیل میں رہتے ہوئے بہت محنت کی۔ وہ ایک انتہائی پڑھنے والا شخص تھا اور سیکورٹی کے موضوعات پر نوٹس اور تحقیق کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ سلیمان نے کہا کہ انہوں نے ایک سیکورٹی کورس میں شرکت کی جسے السنوار نے چھ ماہ تک چلایا، جس میں تقریباً 40 قیدی شامل تھے۔ اس کورس میں "دشمن کو جاننے، سیلز کی تشکیل، ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی کے طریقے، اور مزاحمتی کام کے لیے مکمل رازداری کو برقرار رکھنے کی بنیاديات" پر بات چیت کی گئی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ قیدیوں نے اسرائیلی اداروں کے اندر تعلیم حاصل کرنے کے مواقع سے فائدہ اٹھایا۔ قیدی، جن میں السنوار بھی شامل ہیں، اسرائیلی یونیورسٹیوں میں ماسٹرز کی ڈگری کے پروگراموں میں داخلے کے لیے درخواست دی، جن میں سے کچھ کی فیس 250,000 ڈالر تک ہوتی ہے۔ کچھ جیل انتظامیہ

نے قیدیوں کی درسی کتابوں اور تعلیمی مواد کی فراہمی کے مطالبات کو قبول کیا۔ یہ تمام حقوق کئی نسلوں کے قیدیوں کی طویل جدوجہد کے بعد حاصل کیے گئے ہیں، جیسا کہ جبارین نے بیان کیا۔

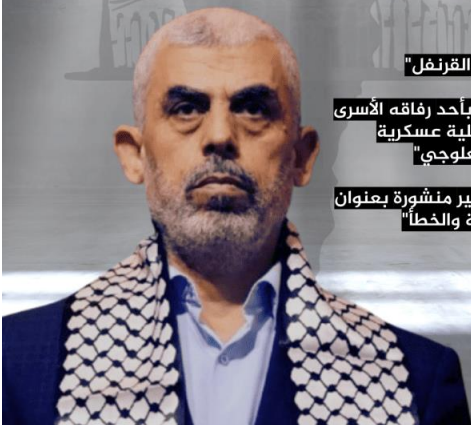
استخدم السنوار معرفته بالعبرية لتأليف عدد من الكتب وترجمتها في مجالات السياسة والأمن والأدب

ترجمات السنوار:

- كتاب "الشبابك بين الأشلاء" لكارمي جيلون
- كتاب يتناول جهاز الأمن الداخلي الإسرائيلي
- كتاب "الأحزاب الإسرائيلية عام 1992"
- يعرف بالأحزاب السياسية في دولة الاحتلال وبرامجها وتوجهاتها خلال تلك الفترة
- كتاب "الشبابك بين الانقسامات" لكارمي جيلون
- كتاب "القادم لقتلك" ليعقوب بير

مؤلفاته:

- رواية "الشوك والقرنفل"
- كتيب للتعريف بأحد رفاقه الأسرى الذين نفذوا عملية عسكرية وهو "أشرف اليعلوجي"
- دراسة نقدية غير منشورة بعنوان "حماس: التجربة والخطأ"
- كتاب "المجد"



یہ علم قیدیوں کے معاشرے بلکہ پورے فلسطینی معاشرے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ السنوار نے عبرانی زبان کی اپنی مہارت کا استعمال کرتے ہوئے متعدد کتابیں تحریر اور ترجمہ کیں، جن میں سیاست، سیکیورٹی، اور ادب کے مختلف موضوعات شامل ہیں۔ ان میں "الشاباک بین الأضواء" نامی کتاب کی ترجمہ بھی شامل ہے، جو اسرائیلی داخلی سیکیورٹی ادارے کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ، السنوار نے "الاحزاب الإسرائیلیة عام 1992" بھی ترجمہ کیا، جو اسرائیل کے سیاسی جماعتوں اور ان کے پروگراموں کو بیان کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی، السنوار نے ناول "الشوک والقرنفل" بھی لکھا، اور ایک کتابچہ تیار کیا جس میں ایک قیدی رفیق "أشرف البعلوجی" کا ذکر ہے، جس نے ایک عسکری کارروائی میں حصہ لیا۔ یہ دونوں ادبی شراکتیں فلسطینی روایات کو دستاویزی شکل دینے کی کوشش کا حصہ ہیں۔ اس نے "المجد" نامی کتاب بھی لکھی، جو "الشاباک" کے بارے میں معلومات جمع کرنے، منجروں کی بھرتی اور تشدد کی مختلف تحقیقات کے طریقوں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ، اس نے ایک غیر شائع شدہ تنقیدی مطالعہ "حماس: التجربة والخطأ" بھی تحریر کیا، جس میں اسلامی مزاحمت کی تحریک کی سیکیورٹی اور عسکری تجربات پر نقد و نظر پیش کیا گیا ہے۔

آخری طور پر، جب فلسطینیوں کی جنگ کے تناظر میں اسرائیلی میڈیا نے السنوار کی زندگی کی تفصیلات کو جانچنا شروع کیا، تو کمیٹی بیری، سابقہ اسرائیلی جیل کی سربراہ نے یہ انکشاف کیا کہ یحیی السنوار نے اپنے جیل میں رہتے ہوئے "الشاباک" کے سابقہ دوسرے برہان کی کتابوں کا ترجمہ کیا، ایک یعقوب بیری کی "القادم لقتلك" اور دوسری کرمی غیلون کی "الشاباک بین الانقسامات"۔ یہ قابل ذکر ہے کہ السنوار کی لکھی ہوئی کتابیں، جو منظر عام پر آئیں، وہ "خاوة" کے طور پر لکھی گئی تھیں، باوجود اس کے کہ جیل کے نگراں انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"دسیوں افراد نے ان کتابوں کی نقل تیار کرنے کی کوشش کی اور انہیں جلادوں کی نظروں سے چھپانے میں بڑی محنت کی، اور انہوں نے اس کے لیے بے پناہ کوششیں کیں، جیسے کہ وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے کام کرتے ہیں تاکہ انہیں روشنی میں لایا جاسکے" جیسا کہ "الشوک والقرنفل" کے سرورق پر لکھا گیا ہے۔

یہ تحریریں اور دیگر عملی اقدامات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ السنوار ایک عمر قید کے قیدی کے طور پر نفسیاتی استحکام کی ایک اعلیٰ حالت میں تھے۔ لہذا، یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کہ یحیی السنوار نے اپنے جیل کے نگراں کو ایک خاص طریقے سے محاصرے میں لے لیا، اور ان کے بارے میں ان کے نقطہ نظر پر اثر انداز ہونے میں ایک نمایاں مہارت حاصل کی۔

جیل ایک تربیت گاہ:

یہ صلاحیت ایک ایسے نفسیاتی نظام سے وابستہ ہے جسے مزاحمتی قیدیوں نے اپنایا، جس کی وجہ سے وہ کچھ طریقوں سے اپنے جیل کے نگران کے سامنے غیر معمولی اور معیاری جوابات پیش کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم مزاحمتی قیدی کی اس قدرت کا ہونا ہے کہ وہ دباؤ اور سخت حالات کا سامنا کر سکتا ہے، بغیر کسی گہرے نفسیاتی اثرات کے۔

بلکہ، ان میں سے بہت سے افراد ایسی روحانی معنی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو ان کے درد و رنج سے نکلتا ہے، جو انہیں اپنی ذاتی قابلیت اور ذہنی برابری کا احساس دیتا ہے جب وہ اپنے آپ کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں انتہائی خطرناک افراد کے طور پر دیکھتے ہیں۔ مزاحمت نے جیل کو ایک حکمت عملی کے طور پر استعمال کیا، جس کے ذریعے چیلنج کی جڑیں مضبوط کرنے کا ایک مرحلہ بنایا، جو قید کو نفسیاتی مضبوطی کی تعمیر اور بڑی لڑائی کے لیے خود کو تیار کرنے کا ایک ضروری مرحلہ تصور کرتی ہے۔

السنوار نے جیل کے داخلی نظاموں کی پرواہ نہیں کی، بلکہ اس کی توجہ دشمنوں اور مجبوروں کے سامنے اپنی برابری اور قابلیت ظاہر کرنے پر رہی۔ اس نے جیل کو اسرائیلی معاشرے کی ایک چھوٹی تصویر کے طور پر دیکھا۔ لمبے عرصے تک جیل

میں رہنے کے باوجود، اس کی نظر میں جیلر ہمیشہ ایک دشمن رہا، نہ کہ محض ایک ملازم۔

سلسلہ اختیار میں جیل کے دربانوں کے ساتھ تعلق حالات کے بدلنے کے ساتھ تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن ادارتی نظام اور روزمرہ کے طریقہ کار کے مطابق یہ تعلق اکثر معمول اور موافقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ البتہ دشمن کے ساتھ تعلق، چاہے وہ کتنی ہی قریب اور روزانہ کا کیوں نہ ہو، محض ایک موقع ہوتا ہے علم حاصل کرنے کا، اور جنگ بندی ہوتی ہے تحقیق اور دشمن کی قوت اور کمزوری کے مطالعے کا۔ السنوار جیسے لوگوں کے لئے، جیل ایک مدرسہ بن جاتی ہے اور اس کے قوانین توڑنے کے طریقے سیکھنے کی ایک طویل تجربہ گاہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

جیل صرف مدرسہ نہیں، بلکہ ہر انقلابی جدوجہد کا رفیق اور ہر مقصد کے حامل کا حلیف بن جاتی ہے، اور جیل ایک حکمت عملی کا حصہ بن سکتی ہے، نہ کہ محض ایک ضروری خطرہ۔ یہی حکمت عملی جیلوں کو بھرتی، تربیت، اور تیاری کا مرکز بنادیتی ہے۔

شیخ احمد یاسین نے 90 کی دہائی کے آخر میں ایک انٹرویو میں الجزیرہ کو کہا کہ جیل ایک مؤمن مجاہد کے لئے "لطف" کی جگہ ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ خلوت اور روحانی ترقی کا موقع فراہم کرتی ہے۔ بلکہ، شیخ نے آفاق عربیہ اخبار میں دوسرے انتقاد

کے دوران خواہش ظاہر کی کہ اسلامی تحریک کے تمام بیٹے جیل کا تجربہ کریں، تاکہ جیل کا خوف ان کے دلوں سے نکل جائے۔

جیل کو ایک ایسی رکاوٹ نہیں سمجھا جاسکتا جو تبدیلی کے راستے میں حائل ہو یا جدوجہد کو روکنے کا باعث بنے۔ چاہے کارکن اور مجاہدین کتنے ہی ماہر کیوں نہ ہوں، جیل کا خطرہ یا اس سے بھی بدتر چیز کا سامنا ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

اسرائیلی جیلیں حماس کی چار بڑی سرحدوں میں سے ایک ہیں، جن میں غزہ، مغربی کنارے اور بیرون ملک شامل ہیں۔ جیلوں میں حماس کے قائدین اور اراکین کے ساتھ ساتھ ہزاروں ممکنہ بھرتی ہونے والے موجود ہیں۔ لہذا، حماس نے جیلوں میں قیدیوں کی نمائندگی کی اہمیت کو سمجھا ہے۔

اگرچہ حماس کے قیدیوں کا تنظیمی سطح پر باہر کے قائدین کے ساتھ بنیادی کردار نہیں، مگر ان کا ایک پیچیدہ تنظیمی ڈھانچہ اور منتخب قیادت ہے جو حماس کی مرکزی فیصلہ سازی کے عمل میں، "اگر موقع ملے تو مشورتی طور پر" حصہ لیتی ہے، جیسا کہ طارق حمود، قطر یونیورسٹی کے استاد نے بیان کیا، جو سکیورٹی اسٹڈیز میں ماہر ہیں۔

اپنی قید کے دوران، السنوار نے حماس کے قیدیوں کی اعلیٰ قیادت کی سربراہی دو مرتبہ سنبھالی۔ اس نے قیدیوں کے حالات بہتر بنانے کے لیے مصلحتِ سجون کے خلاف 1992، 1996، 2000، اور 2004 میں کئی ہڑتالیں بھی کیں۔

السنوار کی والدہ نے اپنی وفات سے پہلے 2004 میں ان کی جیل میں ایک جدوجہد کے بارے میں بتایا کہ جب وہ رملہ جیل میں تھے تو انہوں نے اپنے دوست روجی مشتی کے ساتھ مل کر بدسلوکی کرنے والے جیلر کے چہرے پر گرم پانی چھڑکنے کا منصوبہ بنایا۔ السنوار کو معلوم تھا کہ اس پر سزا ملے گی، تو اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جیل کے راستے اور فرش پر گھی اور صابن لگا دیں۔ جب سپاہی قیدیوں کو کچلنے آئے تو فرش کی لچک کی وجہ سے بکھر گئے، اور قیدیوں اور جیلروں کے درمیان ایک معرکہ چھڑ گیا۔ السنوار کو اس کے بعد کئی ہفتوں تک تنہائی میں رکھا گیا، مگر قیدیوں کی روزانہ کی بغاوت کے بعد اسے دوبارہ ان کے ساتھ لایا گیا۔

تاہم، اسرائیلی داخلی سکیورٹی ایجنسی (شاباک) ان مجاہدین کی جدوجہد اور ان کے قائدین کے عزائم سے باخبر تھی، اور ان کی درخواستوں کو التواء میں ڈالتی یا السنوار کے ساتھ خاص سلوک نہیں کرتی تھی۔ اس کے باوجود، السنوار جانتا تھا کہ کس طرح اسرائیلیوں کو اپنے حق میں کام کرنے پر آمادہ کیا جائے، اور "بد قسمتی سے جیل انتظامیہ نے اس کے ساتھ تعاون کیا کیونکہ سب چاہتے تھے کہ جیل پر سکون

رہے "جیسا کہ میخاکوبی نے کہا، جو السنوار کے ساتھ اس کی قید کے دوران تحقیقات میں شامل تھا۔ ایک اسرائیلی عہدیدار کی گواہی میں کہا گیا کہ السنوار "وہ تھا جو جیل کو چلا رہا تھا، نہ کہ جیل انتظامیہ"۔ یہ بات معاریف اخبار نے نقل کی۔

السنوار بہت سے حماس کے قائدین سے مختلف تھا، کیونکہ وہ ہمیشہ دیگر فلسطینی تحریکوں اور گروہوں کے قائدین کے قریب آنے کی پالیسی اپنانا چاہتا تھا تاکہ قیدیوں کی کوششیں متحد کی جاسکیں۔ یہ اسرائیلیوں کو پریشان کر گیا، جنہوں نے مختلف مزاحمتی گروہوں کے قیدیوں کے درمیان فرق رکھنے کی پالیسی اپنائی۔



2017 میں، اسرائیلی اخبار یدیعوت آحارونوت نے جیل سے ایک پرانی تصویر شائع کی جس میں السنوار فتح کے قائد مروان برغوثی اور مغربی کنارے میں القسام بریگیڈ کے قائد عباس السید کے ساتھ نظر آرہے تھے، اور سوال کیا کہ آیا برغوثی بھی باہر نکل کر فتح کے قائد بنیں گے، جیسے کہ السنوار جیل سے نکل کر حماس کے قائد بنے۔

سنوار نے جیل میں اپنے حماس کے رہنماؤں اور دیگر ساتھیوں کی شہادت کا مشاہدہ کیا، اپنے دوستوں اور شاگردوں کی گرفتاریاں دیکھیں، اور فلسطینی مسئلے کے اہم موڑ جیسے اوسلو معاہدہ، حرم ابراہیمی قتل عام، اسحاق رابین کا قتل، غزہ سے اسرائیلی افواج کا انخلا، حماس کی پارلیمانی انتخابات میں فتح، غزہ پر حماس کا کنٹرول، اور گلعاد شالیت کی گرفتاری جیسی تبدیلیوں کو محسوس کیا۔

فرار کی کوشش:

اسرائیلی جیلوں میں، جہاں اسے مختلف جیلوں میں منتقل کیا گیا، سنوار نے اپنی آزادی کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ اس نے دو بار فرار ہونے کی کوشش کی؛ پہلی بار عسقلان کی مجدل جیل میں اور دوسری بار رملہ جیل میں، لیکن دونوں بار ناکامی ہوئی۔ مجدل جیل میں اس نے ایک تار اور چھوٹے آری کی مدد سے اپنی سیل

کی دیوار میں سوراخ کیا، مگر کوشش اس وقت ناکام ہوئی جب دیوار کی بیرونی سطح گر گئی اور اسے تنہائی میں قید کر دیا گیا۔

رملہ جیل میں دوسری کوشش کے دوران، اس نے کھڑکی کی لوہے کی سلاخیں کاٹیں اور ایک لمبی رسی تیار کی، مگر آخری لمحے میں اسے پکڑ لیا گیا۔ سنوار نے جیل کے اندر سے بھی فدائی کارروائیوں کا منصوبہ بنایا جس کا انکشاف ہوا اور اس کی قید میں مزید 25 سال کا اضافہ ہوا۔ قید کے دوران، اسے خاندانی ملاقاتوں سے محروم رکھا گیا؛ اس کے بھائی نے آزادی کے بعد بتایا کہ اسے 18 سال تک اپنے بھائی سے ملاقات نہیں کرنے دی گئی، جبکہ اس کے والد صرف دو بار 13 سال میں ان سے مل سکے۔

ان کی قید کے دوران اسرائیلی انٹیلی جنس نے سنوار کی شخصیت کا جائزہ لیا اور اسے "سخت، قابل اعتماد، مؤثر، دوستوں میں مقبول، غیر معمولی صبر کا مالک، کم پر قانع، چالاک اور راز رکھنے والا" قرار دیا، اور یہ کہا کہ وہ لوگوں کو متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھی قیدیوں کا کہنا ہے کہ وہ قیدیوں کا خیال رکھنے والا اور نوجوانوں پر شفقت کرنے والا تھا۔ اسے کنافہ بنانے میں بھی مہارت حاصل تھی جس سے وہ اپنے دوستوں اور کبھی کبھار جیل کے ڈاکٹروں کو بھی لطف اندوز کرتا۔

رہائی کے مذاکرات:

سنوار کی غیر معمولی صلاحیتیں گلعاد شالیت کے تبادلے کے معاہدے کے دوران ظاہر ہوئیں۔ 2010 کے آغاز میں، اسے اپنے ایک وکیل سے معلوم ہوا کہ حماس ایک ایسے معاہدے پر دستخط کے قریب ہے جس میں اسرائیل نے کئی قیدی رہنماؤں کو شامل نہیں کیا اور بہت سے قیدیوں کو ملک بدر کرنے کی شرط رکھی۔ رہا ہونے والے محمد الناعوق بتاتے ہیں کہ سنوار نے بڑا سبب جیل سے حماس کے اس وقت کے مذاکراتی سربراہ محمود الزہار سے رابطہ کیا اور مطالبہ کیا کہ معاہدے کو موجودہ صورت میں قبول نہ کیا جائے۔ اس نے خالد مشعل سے بھی بات کی، جنہوں نے اسے یقین دلایا کہ معاہدہ اس وقت تک روکا جائے گا جب تک کہ وہ قیدی رہنماؤں کی خواہشات کو پورا نہ کر دے۔

اسرائیلی، جو حماس میں سنوار کی حیثیت سے آگاہ تھے، نے معاہدے کو اپنے شرائط کے مطابق مکمل کرنے کے لئے اس سے مدد مانگی۔ اسرائیلی مذاکرات کار عوفر ڈیکل نے ہدایم جیل میں اس سے ملاقات کی اور حماس کی قیادت پر دباؤ ڈالنے کی درخواست کی، مگر سنوار نے ان کی پرواہ نہیں کی۔ ڈیکل شاید سمجھتا تھا کہ سنوار جلدی میں تھا کہ کسی بھی شرط پر جیل سے نکلے، لیکن اس کے رد عمل اور بے پروائی

نے ظاہر کیا کہ وہ اپنی مکمل سزا کاٹنے کے لئے تیار تھا جب تک کہ اس کی مذاکراتی شرائط پوری نہ کی جائیں۔

اسرائیلی انٹیلی جنس آفیسر، بیٹی لاہات، جو کہ خطرناک قیدیوں سے رابطہ کرنے کی ذمہ دار تھی، سنوار کو دماغ کے آپریشن کے بعد دیکھنے آئی۔ لاہات، جس کا تذکرہ لبنانی قیدی سمیر قطار نے مردانہ نقوش والی دہلی پتلی عورت کے طور پر کیا، نے سنوار سے پوچھا کہ کیا وہ اس کے ساتھ کام کرنے، اسرائیل کے بارے میں اپنے خیالات تبدیل کرنے اور نئی زندگی شروع کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے؟ سنوار نے جواب دیا کہ وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتا، اور بات کو اپنی آزادی کے بعد کے منصوبوں پر منتقل کر دیا۔ جب لاہات نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ جانتا ہے کہ وہ جیل سے زندہ نہیں نکلے گا، تو سنوار نے مسکراتے ہوئے پر اعتماد انداز میں کہا، "میں اپنے مقررہ وقت پر باہر نکلوں گا، اور اللہ اس وقت سے باخبر ہے!"

اللہ کو معلوم تھا کہ یہ وقت 18 اکتوبر 2011 کی صبح ہوگی، جب سنوار نئے جنم کے ساتھ غزہ اور خان یونس کے کیمپ میں، ہیرو کی طرح، کاندھوں پر اٹھا کر واپس پہنچے گا۔

جب سنوار غزہ پہنچا، اس کی نظر بدلتے ہوئے شہر پر جمی رہی، وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ایک نئی جیل ہے مگر مختلف پیمانوں کے ساتھ، جہاں دیواریں غائب تھیں مگر

چوکیاں، بحری راستے، اور حساس کیمرے نگرانی کے لیے تھے۔ جب ہجوم نے اسے نئی قیادت کے لیے خوش آمدید کہا، سنوار کو احساس ہوا کہ رہنمائی کے اشارے آہستہ آہستہ سامنے آرہے ہیں۔ نئے قائد کو اسرائیل کی گہرائی اور فلسطین کی بھی گہرائی کا علم تھا، اور وہ اس مبہم سرزمین کو بھی جانتا تھا جس پر مسئلہ حرکت پذیر ہے۔

غزہ کی گلیوں میں ایک قائد کا نمو

غزہ کی گلیوں نے ایک ایسے قائد کی پیدائش دیکھی جو "جدعان" (ایک جنگجو قبیلہ) کی چال چلتا ہے جسے دیہاتی علاقوں کے لوگ جانتے ہیں۔ اس کا چہرہ تصویر کے لمحات کے لیے تیار نظر آتا ہے اور منظر کو بھر دیتا ہے جو اس لمحے کی مناسبت رکھتا ہے۔



یہ غزہ، جس میں یحییٰ سنوار آزاد ہو کر واپس آیا، وہ غزہ نہیں تھی جس میں وہ پیدا ہوا یا جسے چھوڑا تھا جب اسرائیل نے اسے 27 سال کی عمر میں گرفتار کیا تھا۔ جب سالوں کی قید کے بعد اس کے قدم پہلی بار اس کی سر زمین پر پڑے، تو اسے یہ احساس ہوا کہ وہ ایک اندھیری دنیا سے نکل کر ایک اور اندھیری دنیا میں داخل ہو گیا ہے، جو کہ ایک بڑی کھلی جیل ہے، مگر اس بار ایک فوج مزاحمت کاروں کے ساتھ اور آزادی کی امید پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

پہلی قید میں پیدائش.. خانینوس کیمپ

یحییٰ ابراہیم حسن سنوار 29 اکتوبر 1962 کو غزہ کے شہر خانینوس کے ایک مہاجر کیمپ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ رضا عبد اللہ سنوار نے انہیں یحییٰ نام دیا، نبی

یحییٰ بن زکریا کے نام پر، تاکہ وہ لمبی عمر پائے اور فلسطینیوں کے ارد گرد ہر طرف سے چھائے ہوئے موت کے خطرات سے محفوظ رہے۔

ان کی پیدائش کے وقت سنوار کا خاندان عسقلان سے 14 سال قبل نقل مکانی کر چکا تھا، جب صہیونی تنظیمیں فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنے کی مہم میں تھیں، جسے نلبہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سنوار کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے خاندان کی جڑیں اور خانیونس میں ان کی پرورش کو دیکھنا ضروری ہے۔ خانیونس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے مقامی باشندے اور نلبہ کے بعد بے دخل ہونے والے فلسطینیوں کے درمیان اختلاف ہے۔ خانیونس کیمپ 1949 میں قائم کیا گیا اور یہاں فلسطینیوں کو برّ السبع، اسدود، المجدل، اور دوسرے علاقوں سے لاکر بسایا گیا۔

ایک ذریعہ جس نے شناخت ظاہر نہ کرنے کی شرط پر سنوار کے خاندان کے قریب ہونے کا دعویٰ کیا، کے مطابق کیمپ کی زندگی پر فلسطینی کسانوں کی ثقافت کا غلبہ ہے جو صہیونی تحریک سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ صہیونی تنظیمیں 1920 کی دہائی سے، یعنی اسرائیل کے قیام سے دو دہائی پہلے، فلسطینی علاقوں میں لوٹ مار کر رہی تھیں، خاص طور پر زرعی زمینوں اور پانی کے کنوؤں پر۔

مہاجرین کی نفسیات پر پناہ گزینی کے اثرات واضح تھے، اور یہ اثرات فلسطینی مزاحمت کی جڑوں میں نظر آتے ہیں۔ فلسطینی مزاحمت کی تاریخ دراصل پناہ گزینوں اور کسانوں کی تاریخ ہے، اور آج کے بیشتر مزاحمت کے قائدین بھی انہی میں سے ہیں۔

خانیونس کیمپ میں، جس کی آبادی 100,000 مہاجرین پر مشتمل ہے اور جس کا رقبہ آدھا کلو میٹر سے بھی کم ہے، دنیا کے سب سے زیادہ گنجان آباد علاقوں میں سے ایک ہے۔ یہ کیمپ ان بے ترتیب رہائشی عمارتوں پر مشتمل ہے جنہیں یہاں کے باشندے ایک بد صورت "ڈربے" کہتے ہیں، اور زیادہ تر لوگ اقوام متحدہ کی ریلیف ایجنسی جیسے اداروں کی مدد پر انحصار کرتے ہیں۔

سنوار نے ایک متوسط مذہبی اور خوددار گھرانے میں پرورش پائی۔ ان کے والد کیمپ میں ایک چھوٹی دکان کے مالک تھے۔ بچپن اپنے دادا حسن کے قریب تھے، جو انہیں مسجد لے جایا کرتے تھے۔ ان کے والد نے انہیں "بچپن میں ایک مرد" قرار دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان سخت اور دلیرانہ شخصیت کے مالک تھے، مگر انہوں نے اپنے ساتھیوں پر ظلم نہیں کیا۔

یجی' نے پانچ سال کی عمر میں 1967 کی جنگ اور شکست کو دیکھا، اور یہ ان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات چھوڑ گیا۔ ان کے والد، جن کا 2022 میں 90 سال کی عمر میں انتقال ہوا، نے بتایا کہ یجی' بچپن ہی سے مزاحمت کا عزم رکھتے تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم خانیونس کے شیخ جمیل اسکول میں حاصل کی، اور پھر اطل احمد عبدالعزیز اسکول میں داخلہ لیا، جس کا نام ایک مصری افسر کے نام پر رکھا گیا تھا جو فلسطین کی جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ اسی اسکول کے واقعات ان کے دوستوں کے درمیان گفتگو کا موضوع بنے۔

دینی تعلیم:

اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران، یجی' نے خانیونس کی مسجد فلسطین جانا شروع کیا۔ یہاں انہوں نے الاخوان المسلمین سے وابستہ دو اساتذہ، محمد صیام اور سعید زعرب، سے تعلیم حاصل کی جنہوں نے انہیں عربی ادب، شاعری اور زبان کی محبت سے روشناس کرایا۔

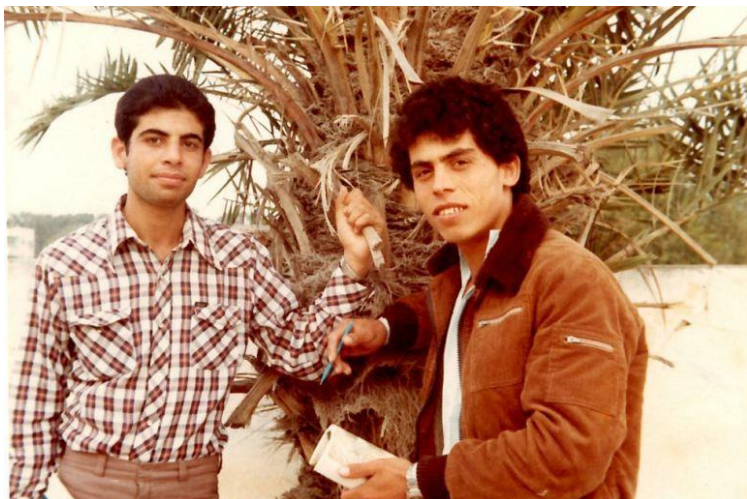
اس دوران سنوار نے سید قطب اور سعید حوی کی تحریروں کو پڑھا، جن میں انہوں نے اپنی سخت مزاجی اور پختہ شخصیت کی جھلک دیکھی۔

سنوار کی شخصیت میں خود کو چیلنج کرنے اور مشکلات کا سامنا کرنے کا رجحان نمایاں تھا۔ انہوں نے اپنے خاندان کی مالی مشکلات اور اسرائیلیوں کے زیر کنٹرول زمینوں پر کام کرنے سے انکار کے باعث، تعمیرات، پلمبنگ اور رنگ و روغن جیسے مشکل کاموں میں اپنی محنت سے روزی کمائی۔

ایک شخص جس نے سنوار کو قریب سے جانا، اس کے مطابق سنوار "نے ہر کام کیا، اور یہ صفت اس کے ساتھ مزاحمت میں بھی منتقل ہو گئی، جہاں اس نے سیاسی، سیکورٹی، عسکری، دعوتی اور حتیٰ کہ ابلاغی شعبوں میں بھی کام کیا۔"

سنوار نے تعمیرات کے کام کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ وہ ایک ماہر معمار نہ بن گیا۔ اس کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور وہ اپنے دوست کے ساتھ شراکت داری میں آگیا جس نے اسے یہ کام سکھایا تھا۔ انہوں نے ایک معاون مزدور رکھا اور درمیانے درجے کے کنٹریکٹ لینے شروع کیے۔ اس طرح اس کے اندر تعلیم، اسلامی کام، طلباء کی سرگرمیاں اور خود انحصاری کی خصوصیات نے مل کر ابو ابراہیم کی شخصیت کو تراشا۔

ستر کی دہائی میں، شیخ احمد یاسین نے غزہ میں "المجمع الاسلامی" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کا مقصد تھا کہ تمام اسلامی سرگرمیوں کو مسجد کے گرد مرکوز کیا جائے تاکہ مسجد کو اس کی قدیم حیثیت واپس مل سکے۔



تاہم غزہ میں اسلامی کام اتنا آسان نہ تھا کیونکہ یہ علاقہ اسرائیلی قبضے میں تھا۔ 1980 کی دہائی کے اوائل میں، اسرائیل کے اسلامی وقف کے امور کے سربراہ افسیر کوہن نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں کہا گیا تھا کہ اگر ہم المجمع الاسلامی کو نظر انداز کرتے رہے تو یہ مستقبل میں بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔

کوہن نے کوشش کی کہ غزہ میں کسی بھی نئی مسجد کی تعمیر اسرائیلی سکیورٹی کی منظوری کے بغیر نہ ہو، اور ہر مسجد کے مالکان اور نگرانوں کا مکمل بائیوڈیٹا فراہم کیا جائے۔ تاہم غزہ کے لئے اسرائیلی فوجی کمانڈر اسحاق سیجیف، جو انقلاب اسلامی کے بعد ایران سے واپس آئے تھے، نے اس تجویز کو ختم کر دیا۔ سیجیف نے شیخ احمد یاسین کو اسرائیلی اسپتال میں علاج کی پیشکش کی اور کئی بار ملاقاتیں کیں، مگر اس سے شیخ کی عوامی مقبولیت میں کوئی کمی نہ آئی۔

اس منصوبے کی ناکامی کے بعد، اسرائیلی حکام نے کوہن کی تجویز کو سخت اصولوں کے ساتھ اپنا ناسروع کر دیا، مگر شیخ احمد یاسین اور ان کے شاگرد یحییٰ سنوار نے اس کا مقابلہ کیا۔



جب اسلامی تحریک کے نوجوان بغیر اجازت مسجد بنانا چاہتے، تو وہ جمعہ اور ہفتے کے دنوں میں شفٹوں میں کام کرتے، جب اسرائیلی فوج چھٹی پر ہوتی، تاکہ مسجد اتوار سے پہلے مکمل ہو سکے۔ ان مساجد میں جنہیں اسی طریقے سے بنایا گیا اور جن میں سنوار کی فعال شرکت تھی، جبالیہ کی بعض مساجد اور خان یونس میں امام شافعی مسجد بھی شامل ہے۔

یہ وہی مسجد ہے جہاں حسن عبدالرحمن سلامہ نے تربیت پائی، جو کہ قسام بریگیڈ کا ایک اعلیٰ سطحی اسیر کمانڈر ہے۔ اس نے جنوری 1996 میں انجینئر یحییٰ عیاش

کے قتل کے رد عمل میں "الثائر المقدس" (مقدس انتقام) کے آپریشنز کی منصوبہ بندی کی تھی۔

سنوار کا کام صرف مساجد بنانے تک محدود نہیں تھا۔ جب یحییٰ نے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی، اس وقت غزہ میں کوئی یونیورسٹی موجود نہیں تھی۔ اس وقت کے نوجوان یا تو مصر یا مغربی کنارے کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے، مگر سنوار کے لیے غزہ چھوڑنا ایک سخت اصول تھا۔ اس نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ ”میں غزہ سے نہیں نکلنا چاہتا“، اور یہ جواب اس کے تمام مشیروں کو دیا جو اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک جانے کا مشورہ دیتے تھے۔ یہ بات اس فلسطینی مثل پر مبنی تھی کہ ”زمین کو اس کے بیل ہی جوتے ہیں“۔

چنانچہ جب سنوار نے غزہ میں اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا، اس وقت وہ صرف چند عمارتیں تھیں جن میں الا زہر ثانوی ادارے کے طلبہ صبح تعلیم حاصل کرتے تھے، اور شام میں کچھ نوجوان محدود تعداد میں بطور یونیورسٹی طلبہ وہاں جاتے، جو تین کالجوں میں منقسم تھے: شریعہ، اصول الدین، اور عربی زبان۔

سنوار کو دوبارہ اپنا حق ”خاوة“ (زبردستی) کے طور پر لینا پڑا اور قابض طاقت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی پڑی۔ اس نے اپنی مہارت کا استعمال کیا اور اسلامی یونیورسٹی کی عمارتوں اور کلاسوں کی تعمیر میں بذات خود حصہ لیا، حالانکہ اس وقت کے ملٹری

گورنر کی طرف سے اس ادارے میں تعمیر پر پابندی تھی۔ اس عمل کے دوران اسے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جن میں طلبیاں، حراست، تفتیش، اور پھر قید شامل تھے، جیسا کہ ان کے بھائی حامد سنوار نے ”وفاء الاحرار“ کی ڈیل (جس میں آپ کی رہائی ہوئی) سے قبل ایک انٹرویو میں بیان کیا۔

اس عرصے میں، سنوار، شیخ احمد یاسین کے قریب تر ہوتا گیا، جو طلبہ کے کردار کی آزادی کے تصور سے بخوبی واقف تھے۔ سنوار "الشوک والقرنفل" میں بیان کرتا ہے کہ شیخ یاسین خود غزہ میں طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے۔ وہ یونیورسٹی کے چند سرگرم طلبہ کو بلاتے تاکہ وہ انہیں طلبہ کے حالات سے آگاہ کریں اور ہفتہ وار ملاقاتوں میں شرکت کریں۔ ان ملاقاتوں میں وہ طلبہ کو اسلامی فکر کے متعلق امور پر بات چیت، انتخابی تیاریوں، اور طلبہ کو اسلامی فکر سے جوڑنے کے طریقوں پر رہنمائی دیتے۔

شیخ یاسین نے طلبہ کو منظم کیا اور ان کے لیے ایک کونسل قائم کی جس کی قیادت خالد الھندی، یحییٰ السنوار، یحییٰ موسیٰ، اسماعیل ہنیہ، اور اسامہ المزینی نے کی۔ بعد میں جب دسمبر 1987 میں پہلی انتفاضہ کا آغاز ہوا تو اسلامی یونیورسٹی کو بند کر دیا گیا۔ اس کونسل کے ذریعے سنوار اور اس کے ساتھیوں نے کمیونٹی میں اپنی موجودگی کو مضبوط کرنے کے لیے مختلف سرگرمیاں اور تقریبات منعقد کیں۔

اس دور میں کئی مباحثے اور عوامی بحث کے کلب یونیورسٹی کے احاطے میں منعقد کیے گئے۔ ان میں سے ایک مشہور بحث 1985 میں خان یونس کے دونوں رہائشیوں، اسلامی بلاک کے قائد یحییٰ السنوار اور فتح نوجوان شیبہ کے سربراہ محمد دحلان کے درمیان ہوئی۔ اس بحث کا موضوع مسلح جدوجہد اور اسلامی تحریک کا اس میں حصہ نہ لینا تھا۔ دحلان نے شیخ احمد یاسین کی قیادت میں اسلامی مجموعے پر یہ الزام لگایا کہ وہ قابض قوت کے زیر سرپرست ہے اور اس کی سرگرمیوں میں جاسوسی کی جھلک ہے، جبکہ سنوار نے فتح کی قیادت پر امن کی طرف مائل ہونے پر تنقید کی، خاص طور پر بین الاقوامی امن کا نفرنس میں شرکت اور اردن کے ساتھ کنفیڈریشن بنانے کے خواہاں ہونے پر۔

فنی میدان میں بھی سنوار اور اس کے ساتھیوں نے ہنرمندوں کے فروغ کے لیے ڈرامائی گروہ تشکیل دیے۔ 1980 کی دہائی کے آغاز میں خان یونس شہر میں اسلامی فن کے ایک گروہ کی بنیاد رکھی گئی جس کی قیادت یحییٰ السنوار کر رہے تھے اور شیخ احمد یاسین کی رہنمائی میں اس گروہ نے "العائدون" کے نام سے پہچان حاصل کی۔ اس گروہ میں حماس کے افراد شامل ہوئے، جو بعد میں اس کے اہم رہنما بنے۔

"العائدون" گروہ نے سیاسی اور قومی تھیٹر پر توجہ دی۔ اس نے اس دور کی ایک اہم ڈرامہ "المہرج" پیش کیا۔ محمد دیاب المصری (محمد الضیف) نے اس ڈرامے میں اہم کردار ادا کیا اور اسے "أبو خالد" کا نام ملا، جس سے آج وہ القسام بریگیڈ کا سربراہ بھی جانا جاتا ہے۔

قریب کے دشمن کے خلاف جنگ کا اعلان



1980 کی دہائی کے وسط میں، جب شیخ احمد یاسین جیل سے رہا ہوئے، تو یحییٰ السنوار اور خالد الھندی نے ان سے درخواست کی کہ وہ جماعت کے اندر سیکورٹی ڈپارٹمنٹ کی ذمہ داری قبول کریں۔ اگرچہ شیخ نے ابتدا میں اس درخواست کو مسترد کیا، خاص طور پر جیل سے نکلنے کے بعد ان پر سخت نگرانی تھی اور وہ تنظیمی ذمہ

داریوں سے الگ رہنا چاہتے تھے، مگر 1986 کے آغاز میں شیخ یاسین نے سنوار اور ہندی کو معتبر افراد کو بھرتی کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ نئی سیکورٹی ذمہ داریوں میں معاون بن سکیں۔ اس پر سنوار نے اپنے دوست روجی مشتی کو نامزد کیا اور تینوں نے شیخ یاسین کے ساتھ ملاقات کی، جہاں اس نئے رکن کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا گیا۔

ایکٹرانک آلات کے سیکورٹی مطالعات تیار کرنے اور اس کے ارکان میں منشورات تقسیم کرنے کا کام شروع کیا جو کہ مخبروں کے نیٹ ورکس، اخلاقی اور سیکورٹی کے نقصان کے بارے میں تھے۔ پھر یہ ضروری ہو گیا کہ ایسی دستاویزات بھی تیار کی جائیں جو نوجوانوں اور لڑکیوں کو اسرائیلیوں کے لیے بھرتی اور گرنے کے طریقوں کے بارے میں آگاہ کریں۔ یہ دستاویزات مختلف علاقوں میں، خاص طور پر یونیورسٹی اور اسکولوں میں تقسیم کیے گئے۔

غزہ میں اسرائیلی سیکورٹی کی دراندازی اور مخبروں کے بارے میں جمع کی گئی معلومات کے حجم میں اضافے کے ساتھ، اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسی ایک خصوصی فورس بنائی جائے جو ان پروجیکٹس کا مقابلہ کرے اور ان لوگوں کو روکے۔ چنانچہ چار گروپوں کو ایک خصوصی فوجی قوت کے طور پر تشکیل دیا گیا اور اس نوآموز تنظیم کا نام "منظمۃ الجہاد والد عوۃ" (مجدد رکھا گیا۔

اس دوران، اس تنظیم نے تقریباً تیس نوجوانوں کے لیے سیکیورٹی کورسز منعقد کیے تاکہ خوف کی دیوار کو توڑنے، ذاتی صلاحیتوں کو بڑھانے اور سیکیورٹی شعور کو فروغ دینے میں مدد دی جاسکے۔ ان تیس تربیت یافتہ افراد میں شہید عماد عقل اور دیگر مزاحمتی شخصیات نمایاں تھیں، جیسا کہ یحییٰ کے بھائی زکریا السنوار نے ذکر کیا۔

مارچ 1987 میں مخبروں پر گہری نگرانی اور ان کو پکڑنے اور ان سے تحقیقات کا عمل شروع ہوا۔ سنوار کے مطابق، انھیں کافی صوتی اور تحریری معلومات حاصل ہوئیں۔ "مجد" کی سیکیورٹی میں مہارت اور معلومات کے حصول کی صلاحیت کے ساتھ، اسے دیگر ذمہ داریاں بھی سونپی گئیں، جیسے کہ تحریک کی قیادت کے اجلاسوں کا انتظام، اور ان کے فیصلوں کی تعمیل میں منشورات کی طباعت اور تقسیم۔ تنظیم کے ارکان مساجد میں عطیات کے بکس کو خفیہ پیغامات کے تبادلے کے مقامات کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

تاہم، تنظیم کا اثر و رسوخ اور قیادت تحریک کے دیگر ارکان میں ہمیشہ قبول نہیں کیا گیا۔ دسمبر 1986 میں، سنوار نے خان یونس میں ایک میدانی رہنما پر سبقت حاصل کی اور قیادت کے ساتھ ہم آہنگی کے بغیر قابض فورسز کے خلاف جھڑپیں شروع کرنے کا فیصلہ کیا، جسے تحریک کی اعلیٰ انتظامیہ نے ناقابل قبول خلاف

ورزی سمجھا۔ مگر شیخ احمد یاسین نے اپنے شاگرد کا دفاع کیا اور اس کی اس ادارتی خلاف ورزی کو نظر انداز کر دیا۔

پہلی انتفاضہ اور حماس کی تاسیس:

17 نومبر 1987 کو تحریک کی قیادت نے اگلے مرحلے یعنی قابض فورسز کے خلاف مسلح کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ایک مستقبل بین فیصلہ تھا جو تین ہفتے بعد پہلی انتفاضہ کے آغاز کے ساتھ سامنے آیا۔ 9 دسمبر کی شام کو، شیخ احمد یاسین نے شمالی غزہ کے الشاطیٰ کیمپ میں ایک گھر میں جمع مردوں کے ساتھ ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں غزہ میں قابض افواج کے ہاتھوں ایک دن قبل چار فلسطینی مزدوروں کی ہلاکت پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر، غزہ، مغربی کنارہ، مشرقی یروشلم اور دیگر مقبوضہ علاقوں میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ جبالیہ پناہ گزین کیمپ سے لے کر پورے فلسطین تک، پہلا انتفاضہ شروع ہوا۔ ہزاروں میل دور تونس میں اپنے جلاوطنی میں یاسر عرفات اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ وہ پی ایل او کو اس تحریک کی قیادت میں شامل کر سکیں۔

جبکہ شیخ یاسین اور ان کے ساتھیوں نے اس لمحے کو ایک اہم موڑ کے طور پر تسلیم کیا جس کے لئے انہوں نے پہلے سے تیاری کی تھی۔ 14 دسمبر 1987 کو، شیخ

یاسین کے پیروکاروں نے ایک منشور جاری کیا جس میں کہا گیا کہ "نوآبادیات جان لیں کہ ہمارا راستہ شہادت اور قربانی کا راستہ ہے۔۔۔ اور انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تشدد تشدد کو جنم دیتا ہے، اور قتل سے صرف قتل پیدا ہوتا ہے۔" یہ پہلا بیان تھا جس نے اسرائیل میں وسیع اثر پیدا کیا اور اس پر دستخط تھے: "حماس"۔

پانچ ہفتے بعد، یحییٰ سنوار کو گرفتار کر لیا گیا اور اس نے 23 سال جیل میں گزارے، اور پھر وہ نئی غزہ میں واپس آیا۔

جنوری 2011 میں، فلسطینی وزارت داخلہ نے غزہ میں 400 افسران کے لئے ایک تین ماہ کا تربیتی کورس منعقد کیا جسے "یحییٰ سنوار کورس" کا نام دیا گیا۔ قیدیوں اور ان کے رہنماؤں کے ساتھ وفاداری اور ان کی بہادریوں اور قربانیوں کو سراہنے کے لیے، اور خاص طور پر السنوار کی کوششوں کی قدر دانی میں۔ اس وقت خطے میں حالات کشیدہ تھے، تیونس کے صدر زین العابدین بن علی نے استعفیٰ دے دیا اور اپنے طیارے میں سعودی عرب چلے گئے، جبکہ مصر میں مظاہرے شروع ہو گئے جو صدر حسنی مبارک کی رخصتی کا مطالبہ کر رہے تھے، اور یحییٰ السنوار اپنی جیل کی کال کوٹھری میں بیٹھے ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

مزاحمت کے رہنماؤں نے خطے میں آنے والی بڑی تبدیلیوں کو ایک زبردست موقع کے طور پر دیکھا۔ مصر میں اخوان المسلمون، جو حماس کی رہنما جماعت تھی، زیادہ دیر تک انتظار نہ کر سکی اور جلد ہی اثر و رسوخ اور اقتدار کے حلقوں میں داخل ہو گئی۔ دوسری جانب، غزہ میں، خصوصاً خان یونس میں، جو السنوار کا آبائی شہر ہے اور جہاں ان کے بھائی، محمد السنوار، کی زیر قیادت قسام بریگیڈ کا علاقہ، مزاحمتی فوجیوں نے ایک اہم اسرائیلی قیدی، جلعاد شالیت، کو پکڑ رکھا تھا، جس پر وہ بہت انحصار کر رہے تھے۔

حماس نے ایک مشکل قیدیوں کے تبادلے کی بات چیت کی، لیکن مزاحمت کرنے والوں نے اپنی شرائط، یا کم از کم اُن میں سے زیادہ تر کو منوالیا، اور اسرائیلی رہنماؤں کے پاس فلسطینیوں کو ان کی کچھ شرائط ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

اسرائیل میں سابقہ جیل سروس کمشنر، اوریت آڈا تو، کا کہنا ہے کہ اس نے "وفاء الاحرار" کے معاہدے کی سخت مخالفت کی تھی، جس کے تحت سنوار کو رہا کیا گیا، مگر اس وقت غالب رائے یہ تھی کہ سنوار کے ہاتھ اسرائیلیوں کے خون سے آلودہ نہیں تھے بلکہ فلسطینی مجبوروں کے خون سے تھے۔ اور چونکہ ان کی عمر تقریباً پچاس سال ہو چکی تھی، اس لیے سمجھا گیا کہ وہ وہی کردار ادا نہیں کر سکیں گے جو انہوں نے گرفتاری سے پہلے ادا کیے تھے۔

اسرائیل کے فیصلے میں یہ شامل تھا کہ سنوار کو ان 1027 فلسطینیوں میں شامل کیا جائے جنہیں شالیط کے بدلے رہا کیا جائے گا۔ اگرچہ اسرائیل نے رہا ہونے والے سبھی افراد سے اس بات کا حلف لینے کی کوشش کی کہ وہ اسرائیل کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے، مگر سنوار نے کوئی دستخط نہیں کیے، اور اسرائیل اسے جیل میں رکھنے میں ناکام رہا۔ یوں، اکتوبر میں انہیں رہا کر دیا گیا۔ جس طرح سنوار ایک لاعلاج بیماری سے موت کو شکست دے کر واپس آیا، اسی طرح وہ جیل میں یقینی موت سے بچ کر غزہ واپس آ گیا۔

رہائی کے بعد، سنوار نے حماس کے مذاکرات کاروں سے کہا کہ انہیں مزید فوائد حاصل کرنے کے لیے زور ڈالنا چاہیے تھا۔ جیل میں رہ جانے والے اپنے ساتھیوں کو آزاد کروانے کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے، ایک ہفتے بعد انہوں نے صفا نیوز ایجنسی سے کہا کہ "باقی قیدیوں کو آزاد کروانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مزید اسرائیلی فوجیوں کو اغوا کیا جائے"۔ مگر باسم نعیم کہتے ہیں کہ سنوار نے رہائی کے بعد جلد ہی محسوس کیا کہ غزہ کی صورت حال اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے جتنا وہ سمجھ رہے تھے، جس کی وجہ سے ان کا حماس کے مذاکرات کاروں پر تنقید کرنے کا ارادہ ختم ہو گیا، اور وہ اپنی بڑی منصوبہ بندی کے لیے تیاری میں مصروف ہو گئے، جس کا آغاز بارہ سال بعد ہوا۔

جس دن سنوار اپنے گھر واپس آیا، تو بڑی تعداد میں مبارکباد دینے والے موجود تھے، مگر اُس وقت ان کے بھتیجے، صقر، جو ان کے معاون تھے، نے ایک دوست کو بتایا کہ ابوابراہیم چاہتے ہیں کہ دو دن بعد عشاء کی نماز کے بعد اُن سے ملیں۔

دو دن بعد جب دوست اُن سے ملنے آیا، تو سنوار نے خوشی سے اس کا استقبال کیا، اور دونوں نے پرانی یادیں تازہ کیں۔ چند منٹ بعد، سنوار نے اپنے دوست، جو کہ سیاسی علوم کا استاد تھا، کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "میں سلک توڑنا چاہتا ہوں، اے فلاں!" یعنی وہ اسرائیل میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ دوست نے ایک ماہر تعلیم کی طرح جواب دیا: "عالمی نظام آپ کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔" سنوار نے تیزی سے ناراض لہجے میں جواب دیا، "عالمی نظام بھاڑ میں جائے! اور ساری دنیا کو شرم آنی چاہیے، میں سلک توڑوں گا، زور سے!" یحییٰ سنوار نے منصوبہ بندی کر لی تھی، اور اب عمل کرنے کا وقت آچکا تھا۔

یہ سنوار کا واحد نقطہ نظر نہیں تھا۔ اس سے کئی سال پہلے، 2007 میں، حماس کے دعوتی رہنما شیخ احمد نمر حمدان نے ایک شہید کی جنازے میں کہا: "قائد ابو خالد الضیف تمہیں بتاتا ہے کہ آج ہم اُن پر حملہ کریں گے، نہ کہ وہ ہم پر!"

2011 میں مصر میں تبدیلیوں کے ساتھ، اور پارلیمنٹ اور پھر صدارتی نشست پر اخوان المسلمین کے اقتدار میں آنے کے بعد، حماس نے اس جماعت سے اپنی

وابستگی کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ، حماس کے بانیوں میں سے ایک شیخ عبد الفتاح دخان نے تحریک کی تاسیس کی سالگرہ کے موقع پر مرکزی تقریب کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر اخوان المسلمین کے مرشد عام کے لیے وفاداری کا حلف پڑھا، جسے ہزاروں لوگوں نے دہرایا۔

علاقائی سطح پر حماس کے لیے حالات کچھ حد تک تبدیل ہو چکے تھے۔ اس وقت تحریک کے سیاسی دفتر کے سربراہ خالد مشعل نے بشار الاسد کی حکومت کی جانب سے اصلاحات اور تبدیلی کے مطالبات پر شدید رد عمل کے بعد دمشق سے اپنے قیام اور قیادت کو منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر حماس نے معتدل بیانات دینا جاری رکھا اور ایران کے ساتھ اس کے تعلقات منقطع نہیں ہوئے، اگرچہ وہ کافی حد تک کشیدہ ہو گئے تھے۔

اندرونی اصلاحات

چند مہینوں کے اندر، یحییٰ السنوار کو حماس کے سیاسی دفتر کا رکن منتخب کیا گیا، اور انہیں تحریک کے عسکری ونگ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت کا خاتمہ ہوا، جس کے بعد حماس کو ایک نئے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر جب صدر محمد مرسی کو معزول کر دیا گیا اور اس کے حمایتی ممالک پر دباؤ ڈالا گیا۔ اس موقع پر السنوار کو اپنے آپ کو ایک نئے چہرے کے طور پر پیش

کرنے کا موقع ملا، جو اندرونی اختلافات اور مزاحمت کے روایتی حامیوں، جیسے شام کے نظام یا ایرانی حکومت، سے دور رہا تھا۔

ان حالات میں السنوار نے حماس کے اندر اپنی تنظیمی ترقی کا آغاز کیا، جو کہ ایک قدرتی امر تھا، کیونکہ وہ قیدیوں کی تحریک کی قیادت میں سب سے بلند مقام پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے حماس کے انتخابی ڈھانچے میں اصلاحات پر کام کیا، تاکہ تقریباً 30 ہزار قسم بریگیڈ کے افراد کو شامل کیا جاسکے، جو پہلے سیاسی دفتر کے انتخابات کے دائرے سے باہر تھے، اس طرح تحریک میں سیاسی اور عسکری شعبے کے مابین تفریق کو ختم کر دیا۔

حماس کے بعض ارکان کا خیال ہے کہ السنوار کے اقدامات نے تحریک میں ایک بنیادی اصلاح فراہم کی، جس کی مزاحمت کو سخت ضرورت تھی، خاص طور پر جب قسم بریگیڈ کے ارکان نے حماس کے تنظیمی نظام میں تبلیغی، تربیتی، اور سماجی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اس پر بعض تجزیہ کاروں نے اختلاف کیا، ان کا کہنا ہے کہ حماس اب قسم بریگیڈ کا سیاسی بازو بن چکی ہے، نہ کہ اس کے برعکس۔

زاہر جبارین، جو اس وقت مغربی کنارے میں حماس کی قیادت میں قیدیوں کے معاملے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ السنوار نے محسوس کیا کہ

سیاسی دفتر اور تحریک کی قیادت میں زیادہ تر سخت گیر شخصیات شامل ہونی چاہئیں، جو قید کے تجربے سے گزری ہوں اور اسرائیل کو قریب سے جانتی ہوں۔

باسم نعیم کے مطابق، السنوار کا ماننا ہے کہ فلسطینی مزاحمت کے حالات کو سمجھنے کے لیے سیاسی اور عسکری کی تفریق موزوں نہیں ہے، جیسے کہ اسرائیلی معاشرے کو سمجھنے کے لیے شہری اور فوجی کی تفریق موزوں نہیں ہے۔

"مزاحم" کا لفظ اس تفریق کو مٹا دیتا ہے، کیونکہ مزاحمت کرنے والے تحریک کی شہری، سماجی اور سیاسی زندگی کا حصہ ہیں۔ باسم نعیم مزید کہتے ہیں کہ حماس ایک ایسی فوج نہیں بنانا چاہتی جو عوام سے الگ ہو، بلکہ یہ چاہتی ہے کہ مزاحمت کا نظریہ ہر فلسطینی گھر میں پہنچے۔ اس طرح قابض طاقت کسی تنظیم یا گروہ کو ختم کر کے مزاحمت کا خاتمہ نہیں کر سکے گی۔

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ السنوار نے یہ بات محسوس کی کہ قابض طاقت کا ایک بڑا کامیاب پہلو یہ تھا کہ اس نے گزشتہ دہائیوں میں اسرائیلی معاشرے میں شہری اور عسکری زندگی کو مکمل طور پر ضم کر دیا۔ اسی لیے حماس کے رہنما نے اس بات کو یقینی بنایا کہ تحریک کا ڈھانچہ قابض معاشرے کے قریب ہو۔ اسلامی تحریک مزاحمت (حماس) کا ڈھانچہ دراصل مسلمانوں کے تاریخی تجربات سے متاثر ہے، خصوصاً وہ معاشرے جو سرحدوں پر واقع ہوتے تھے اور دفاعی مورچوں کے

قریب رہتے تھے، جو غزہ میں فلسطینیوں کے معاشرے سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جو تصادم اور جنگ کے میدان کے قریب ہیں۔

ایک اسلامی تاریخ کے محقق کے مطابق، عرب اور مسلمان طویل صدیوں تک رباط اور سرحدی علاقوں میں ایک ملے جلے عسکری اور شہری ماحول میں رہتے تھے۔ ان کے گھروں میں وہی چیزیں ہوتی تھیں جو وہ سوتے اور پہننے کے علاوہ جنگ میں استعمال کرتے تھے۔ اس طرح ہر جگہ کا مسلمان "مجاہد" ہوتا، جو ہتھیار اٹھائے دفاع یا حملے کے لیے تیار رہتا، جس نے کئی ادوار میں قابضوں اور حملہ آوروں کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی ایک ریاست کا نام بھی "المربطین" تھا۔ تو کون ایسی فوج کو قابو میں کر سکتا ہے جب پوری عوام ہی فوج ہو؟ یہ خیال ابتدائی وقت میں ہی فلسطینی اخوان المسلمون میں بھی موجود تھا۔ تاریخ دان نھاد الشیخ خلیل کے مطابق، تحریک فلسطین کی آزادی کے بارے میں حماس کے نقطہ نظر کی ایک شق یہ تھی کہ "سیاسی قیادت میدان جنگ سے ابھرتی ہے، نہ کہ دفاتروں اور راہداریوں سے۔" جولائی 2014 کی جنگ کے بعد، حماس کے اخبار "الرسالة" نے کہا کہ السنوار ہی جنگ کے دوران عسکری اور سیاسی شعبے کے درمیان رابطے کے ذمہ دار تھے۔

2013 اور 2017 کے درمیانی عرصے میں، حماس کو مالی مشکلات کا سامنا ہوا، جو بعد میں اور بڑھ گئیں۔ اس لیے السنوار نے مشکل فیصلے کیے، تحریک اور اس کی حکومت کے، خصوصاً میڈیا اور تعلیمی شعبے (مثلاً اسلامی یونیورسٹی) کی بجٹ میں کمی کی۔

ایک باخبر ذریعہ کے مطابق، حماس نے اپنی بجٹ میں عسکری اخراجات کو ترجیح دی، اور حکومت نے مالی خلا کو پر کرنے کے لیے دیگر طریقے آزمائے۔ مثلاً، غزہ میں پھلوں، اشیاء اور سامان پر ٹیکس میں اضافہ کیا، اور بعض قواعد و ضوابط کا نفاذ کیا جس میں ٹریفک خلاف ورزیوں پر جرمانے عائد کیے گئے، جو کہ پہلے اس علاقے میں معمول نہ تھا۔

السنوار نے دیگر فلسطینی دھڑوں، خاص طور پر فتح اور اس کی قیادت کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی بھی کوشش کی، چنانچہ انہوں نے محمد دحلان سے قاہرہ میں ملاقات کی، اور فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جو کہ حماس کی قیادت میں عام طور پر نہیں ہوتا تھا۔ اس تقارب کا اختتام 2007 کے اختلافات کے متاثرہ خاندانوں کو معاوضہ دینے کے معاہدے پر ہوا، جس کے تحت ہر خاندان کو پچاس ہزار ڈالر دیے گئے، جو فتح اور حماس کے مابین صلح کی کوشش تھی۔

السنوار کی قیادت میں غزہ ایک محاصرے کا شکار علاقہ رہا، جسے ایک مزاحمتی تحریک چلا رہی تھی جس کی پہلی ترجیح قابض طاقت کے خلاف مزاحمت تھی، نہ کہ شدت پسندانہ اسلامی قوانین نافذ کرنا یا اخلاقی ضوابط کو سخت کرنا۔ انہوں نے عوامی سطح پر موجود قدامت پسندی کو ہی کافی سمجھا اور اخلاقی جرائم کو کنٹرول میں رکھا۔ نیز حماس نے فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے منظور شدہ کسی بھی شہری یا مجرمانہ قوانین کو تبدیل یا ان کی مخالفت نہیں کی، بلکہ شریعت اسلامی کی روشنی میں انہیں تسلیم کیا۔ اپنے حالیہ خطابات میں سے ایک میں، السنوار نے کہا کہ فلسطین کی آزادی کی جنگ مذہبی جنگ نہیں ہے، لیکن اگر اسرائیلی اسے مذہبی جنگ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو "ہم تیار ہیں۔"

حماس کے ایک اعلیٰ ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی کہ تحریک کے ہر سطح پر یہ شعور موجود ہے، خاص طور پر قیادت میں، اور السنوار میں یہ شعور واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حماس اپنے آپ کو ایک مکمل ادارہ جاتی ریاست اور اپنے علاقوں میں زندگی کو عام حالت میں نہیں دیکھتی۔ اسی لیے، ذرائع کے مطابق، السنوار نے شریعت کے بعض احکام کے نفاذ یا شہریوں کی نجی زندگی میں مداخلت یا ان پر سختیاں کرنے جیسے فیصلوں کو مسترد کر دیا، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تحریک کے طور پر غزہ کی قیادت حماس کی ذمہ داری ہے۔

ماضی میں حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے والے ایک رہنما وضاحت کرتے ہیں: "ہم نے دیکھا کہ ایران میں لازمی حجاب قوانین کے خاتمے کے مطالبے کے لیے عوامی احتجاجات کیسے ہوئے، جو ایرانی حکومت پر بہت بڑا اثر ڈال سکتے تھے۔" وہ مزید کہتے ہیں، "ہم ایک حقیقت پر مبنی انتظامیہ ہیں، اور یہاں تک کہ السنوار بھی غزہ میں حکومتی ذمہ داریاں سنبھالنے کے خواہاں نہیں تھے، بلکہ چاہتے تھے کہ دیگر فلسطینی ادارے غزہ کا انتظام سنبھالیں۔" حماس نے تکفیری نظریات کو غزہ میں داخل ہونے سے روکا، چاہے وہ مزاحمت کے نام پر ہی کیوں نہ ہوں، اور ان تمام گروہوں کے ساتھ سختی سے نمٹنا جو سلفی جہادی نظریات، جیسے القاعدہ یا داعش، پر چل رہے تھے۔ حماس نے ایسے افراد کے ساتھ شدید سختی سے برتاؤ کیا، یہاں تک کہ 2009 میں ان جہادیوں میں سے کچھ کو شکست دی، جو رفق میں ایک مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، اور ان کے رہنما عبداللطیف موسیٰ کو ہلاک کر دیا۔

السنوار غزہ میں سخت نظم و ضبط کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور سیکیورٹی وجوہات کی بنا پر کم سماجی میل جول رکھتے ہیں، لیکن اگر آپ ان سے امن کے وقت ملنا چاہتے ہیں تو آپ کو صرف مسجد حسن البنا یا خان یونس کی الرحمة مسجد میں فجر کی نماز پڑھنی ہوگی، جس کے بعد وہ اکثر سمندر کے قریب بیٹھ کر غور و فکر میں مصروف ہوتے ہیں۔

یہ السنوار کی مزاحمت کے لیے عوامی حمایت پر مضبوط اعتماد کو ظاہر کرتا ہے۔ سیاست میں ان کی مصروفیت اور ذاتی تحفظ کے لیے ان کی فکر کے باوجود، ان کے قریبی ساتھی بتاتے ہیں کہ وہ روزانہ کے وظائف کے پابند ہیں جنہیں وہ کسی بھی حالت میں ترک نہیں کرتے اور انہیں "اپنی محفوظ پناہ گاہ" سمجھتے ہیں۔

السنوار نے شیخ احمد یاسین کی میراث پر عمل کرتے ہوئے مساجد اور قرآن مراکز کو فعال کرنے کے لیے کام کیا اور عوام کے ساتھ مزاحمت کے بہتر تعلقات کے لیے قبائلی رہنماؤں اور معززین کے ساتھ تعلقات کو مضبوط کیا۔



یہی حکمت عملی 7 اکتوبر کو طوفانِ الاقصیٰ حملے کی منصوبہ بندی کو خفیہ رکھنے میں مؤثر ثابت ہوئی اور عوام کی مزاحمت کے گرد حمایت اور وفاداری کو یقینی بنایا،

باوجود محاصرے اور قتل عام کے، عوام نے مزاحمت کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعادہ کیا۔

آخری گولی

کیمپ سے جیل تک اور جیل سے کیمپ تک، یہ دوہری زندگی ہے جس نے یحییٰ السنوار کی زندگی کو بچپن سے ہی رنگ دیا۔ کیمپ نے السنوار کو فلسطین کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرایا، جبکہ جیل نے اسے اسرائیلی معاشرے کو برہنہ نظروں سے دیکھنے اور اس کی ترکیب کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔

ہمیں یہ سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کہ اگر کوئی شخص کیمپ میں پروان چڑھے یا جیل میں وقت گزارے تو اس کا مقدر کیا ہوگا، کیونکہ کیمپ میں مختلف قسم کے افراد جمع ہو جاتے ہیں، تضاد بھرے خیالات اور نظریات کا اجتماع ہوتا ہے، جیسا کہ یحییٰ السنوار اور محمد حلان کی مثال میں ہے۔

مثال کے طور پر، ایک فلسطینی ماخذ کے مطابق، شامی حکام نے جلد ہی یہ محسوس کیا کہ دمشق میں واقع الیرموک کیمپ برائے فلسطینی مہاجرین ملک میں سب سے زیادہ ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز ہے، اور ساتھ ہی یہاں سے دمشق مرکزی جیل میں سب سے زیادہ مجرمانہ قیدی بھی گئے۔

طارق حمود کے مطابق، عمومی طور پر کیمپ جیل سے کافی مماثلت رکھتا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیمپ میں آپ کسی کو درزی کا کام کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں جو اپنی کاریگری میں ماہر ہو، لیکن یہ جان کر حیران ہوں گے کہ وہ بم بنانے میں ماہر رہا ہے اور لمبے عرصے تک قید میں رہنے کے بعد کیمپ میں واپس آیا ہے۔ ایسی واضح ربط کی مثال آپ کو صرف کیمپ میں ہی ملے گی۔

چونکہ میدان، چاہے وہ یونیورسٹی ہو، کیمپ ہو، یا جیل، السنوار کا پہلا اور آخری مدرسہ تھا، اس کا اثر اس کی شخصیت پر نمایاں ہے۔ طارق حمود کہتے ہیں کہ السنوار، چونکہ میدان کا پروردہ ہے، حماس کے سب سے حقیقت پسند رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔

"میدان نے السنوار میں دو شخصیات پیدا کی ہیں: پہلی عملی سوچ رکھنے والی، کیونکہ وہ حقیقی دنیا کے حالات، ضروریات، اور دباؤ کو قریب سے جانتے ہیں، اور دوسری مزاحمتی جماعتوں کے رہنماؤں اور اراکین کے قریب رہتے ہیں۔" حمود کا کہنا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ السنوار کی میدان میں حسابات کی درستگی زبردست ہے۔

دوسری شخصیت جو میدان نے السنوار میں پیدا کی، وہ حفاظتی نقطہ نظر کی ہے، جو دنیا کو میدان جنگ کے طور پر دیکھتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں میدان کے حسابات میں السنوار کی درستگی زبردست ہو سکتی ہے، وہاں اس کے علاقائی اور

عالمی توازنات سے جڑے سیاسی حسابات محدود یا بہت زیادہ درست نہ ہوں، بہترین حالات میں بھی۔ اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے، سابق وزیر صحت باسم نعیم، جو السنوار کے قریب رہے ہیں، کہتے ہیں کہ السنوار حماس کے سب سے آگے دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والے رہنماؤں میں سے ہیں، اور اسرائیلی، علاقائی، اور عالمی حقیقتوں کو بہت بہتر سمجھتے ہیں، اور اپنی شخصیت میں مستقل سیکھنے اور ترقی کی صلاحیت رکھتے ہیں، جو ان کی قیادت اور اہم فیصلوں میں جھلکتی ہے، جیسے 7 اکتوبر کے حملے کا فیصلہ۔

جہاں تک حقیقت پسندی کا تعلق ہے، اس کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب السنوار نے 2017 میں غزہ میں حماس کی قیادت سنبھالنے کے فوراً بعد قومی مفاہمت کی طرف قدم بڑھایا۔ اسے محض ایک چال کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ مئی 2017 میں، جب السنوار کو قیادت سنبھالے تین ماہ ہی ہوئے تھے، حماس نے اپنے اصولوں اور پالیسیوں کے دستاویزات کی دوبارہ تدوین کی، جس میں اخوان المسلمون سے کسی بھی تعلق کو توڑ دیا اور فلسطینی قومی اتحاد کے نظریے میں شامل ہو کر ایک آزاد فلسطینی ریاست کی حمایت کی، جس کی دارالحکومت القدس ہو، اور جو 4 جون 1967 کی سرحدوں پر قائم ہو۔

طارق حمود کے مطابق، اس دستاویز میں شامل خیالات کو حماس کے قیادتی اداروں میں غیر معمولی اتفاق کے ساتھ منظور کیا گیا۔ حالانکہ حماس کے سیاسی دفتر کے اس وقت کے سربراہ خالد مشعل اس میں ترمیمات کے حق میں طویل عرصے سے کوشش کر رہے تھے، لیکن السنوار کا ان ترمیم سے کھل کر اتفاق اور اس اعلان کے لیے منعقدہ پریس کانفرنس میں ان کی شرکت، باوجود اس کے کہ ان کے قریبی ذرائع کے مطابق وہ میثاق کی کچھ ترمیم پر اعتراض رکھتے تھے، یہ اشارہ دیتا ہے کہ وہ قومی ہم آہنگی کے حصول کے لیے بڑی رعایتیں دینے کے لیے تیار تھے۔

حماس اور فتح نے 2017 کے آخر میں قاہرہ میں مذاکرات کا ایک دور منعقد کیا جس میں السنوار نے غزہ میں تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے حصہ لیا۔ اس وقت مصالحت کے لئے ان کی طرف سے اتنی پرجوش خواہش تھی کہ انہوں نے مصالحت کو ناکام بنانے والوں کے لئے "گردن توڑنے" کا عزم کیا، اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ کچھ حماس کے نوجوان اعتراضات کر رہے تھے۔

تاہم، وہ سال فلسطین، اس کی جدوجہد اور حماس کے لئے آسان نہ تھا۔ سال کے وسط میں قطر پر مکمل پابندی عائد کی گئی، جو غزہ کے لئے سب سے زیادہ امداد فراہم کرنے والا ملک تھا اور جہاں مزاحمتی قیادت کو پناہ ملتی تھی۔ سال کے آخر میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کا

اعلان کیا اور امریکی سفارتخانہ وہاں منتقل کرنے کی دھمکی دی، جس سے "صدی کی ڈیل" کا آغاز ہوا۔ ایک صحافی کے مطابق، کئی فلسطینی رہنماؤں نے یاسر عرفات کی شخصیت سے تحریک لینے کی کوشش کی، اور السنوار بھی ان میں شامل تھے۔

سنوار نے 2018 سے 2021 کے دوران غیر مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کرنے کا اعلان کیا، "شہید یاسر عرفات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے"، اور انہوں نے یوم ارض کی یاد میں غزہ کی سرحدوں پر شروع ہونے والے واپسی مارچ کی حمایت کی جو اٹھارہ ماہ تک جاری رہا۔

باسم نعیم کے مطابق، السنوار نے اس مرحلے میں تحریک کے رویے کو بڑی حد تک قابو میں رکھا اور حماس کو کسی غیر ضروری تصادم میں ملوث ہونے سے بچایا، جب کہ تحریک نے فلسطینی اسلامی جہاد کی کاروائیوں کو نظر انداز کر دیا جو مختلف اوقات میں اسرائیلی قابضین کے ساتھ جھڑپوں میں مصروف تھے۔

السنوار کی قیادت میں حماس نے وقت کے تقاضوں اور دباؤ کے تحت کئی رعایتیں دیں، حالانکہ حماس کے کچھ اراکین کا ماننا ہے کہ یہ سب "اسٹریٹیجک دھوکہ" کا حصہ تھا۔ اس کے باوجود، جب کسی سیاسی راستے کے بغیر ان اقدامات کے لئے کوئی مثبت جواب نہ ملا، تو السنوار اس نتیجے پر پہنچے کہ رعایتوں کا راستہ غیر سودمند ہے،

خاص کر جب مخالفین کی طرف سے مثبت رد عمل کی کوئی امید نہیں تھی۔ اس نے ان کے یقین کو مزید مضبوط کیا کہ حالات کو طاقت کے بغیر تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

السنوار کی سب سے بڑی تشویش غزہ میں ان پابندیوں کو توڑنا تھی جو قابضین نے غزہ کے باسیوں پر عائد کی تھیں، جس سے ان کی زندگی کا نظام متاثر ہوا تھا۔ ہر حملے کے بعد ایک دوسرے پر حملے، پھر ایک عارضی جنگ بندی، چند راشن اور ایندھن، کام کے پرمٹ اور معطل کردہ سرحدوں کو عارضی طور پر کھولنا، اور فلسطینی اتھارٹی کا بے اثر ہونا۔ اس دور ان متن یاہو نے مشرق اور مغرب میں معاہدے کیے، جس سے یہ محسوس ہونے لگا کہ خطہ نئے نظام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

سنوار نے غالباً خاموشی اور تساہل کے اس ماحول کو توڑنے کے لئے ایک خاص نقطہ نظر اپنایا تاکہ دنیا تک فلسطینی احتجاج کی آواز پہنچ سکے۔ اسی بنیاد پر، حماس کے کئی بیرونی رہنماؤں اور السنوار کے درمیان نظریاتی اختلاف کو سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ بیرونی رہنما وہ تھے جو بیرونی ممالک جیسے سوڈان، کویت، سعودی عرب، امریکہ، اور یورپ میں رہے تھے، جبکہ سنوار نے کبھی غزہ چھوڑنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ جب کبھی تنظیمی ضرورت کے تحت انہیں باہر جانا پڑا تو وہ جلدی واپس آ جاتے تھے۔

سنوار کے ایک قریبی ذرائع کے مطابق، انہوں نے فلسطینی آزادی کی تحریکوں کی تاریخی غلطیوں سے سیکھا، خاص کر ایک ہی تحریک میں مختلف ممالک کے اثرات سے۔ فتح میں مختلف ممالک میں قیادت کی موجودگی سے متعدد وفاداریوں کا مسئلہ پیدا ہوا جس پر یاسر عرفات نے مذاقاً کہا تھا کہ فلاں رہنما شام کے بشار الاسد کے تابع ہے، فلاں عراق کے صدام حسین کا وفادار ہے، اور کوئی قذافی کے ساتھ ہے، اور کوئی بھی فلسطین کے لئے نہیں۔

اسی لئے سنوار نے قیادت کے مرکز کو غزہ میں برقرار رکھنے پر زور دیا۔ اس حکمت عملی نے 7 اکتوبر کے حملے کے بعد مذاکرات کے دوران مدد دی کہ حماس کی قیادت نے غزہ سے مذاکرات کی رہنمائی کی، جس سے بیرون ملک کے رہنماؤں پر کسی بھی قسم کا دباؤ ان کے فلسطینی عوام کی امنگوں کے خلاف کوئی مفاہمت کرنے سے باز رہا۔

اور اسی منطق کے تحت، السنوار کا دنیا سے رویہ سمجھا جاسکتا ہے۔ ان کے نزدیک میدان، غزہ اور فلسطین ہے، یعنی دنیا کی ابتدا اور انتہا فلسطین ہے۔ فلسطین کی خاطر، السنوار کے لئے بشار الاسد سے اتحاد قائم کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں، چاہے اس اتحاد پر تنقید کیوں نہ کی جائے۔ اور وہ عبدالفتاح السیسی کی حکومت کے ساتھ مشترکہ مفادات کو تلاش کریں گے، باوجود اس کے کہ السیسی کا اخوان المسلمین

(جو کہ حماس کی مادر تحریک ہے) سے شدید دشمنی ہے، جس میں السنوار نو جوانی میں شامل تھے۔

نعیم کے مطابق، یہ بات السنوار کی جانب سے خطے کی پیچیدہ صورت حال کو نظر انداز کرنا نہیں بلکہ جغرافیائی سیاست کے دیے گئے مواقع اور تحدیات کا ادراک رکھنا ہے، جو انہیں عرب ممالک کے ساتھ عالمی اور علاقائی عناصر کے ساتھ بھی اچھے تعلقات برقرار رکھنے کی ضرورت کا قائل بناتا ہے۔ نعیم کہتے ہیں: "السنوار نے ہمیشہ ایک خاص انداز اپنایا: ہم دوست ممالک کے داخلی تنازعات میں ملوث نہیں ہوتے، اور اگر ہمارے اتحادی مزاحمت سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتے، تو ہمیں بھی ان سے زیادہ توقعات نہیں رکھنی چاہئیں۔" حماس نے 2019 سے غزہ کے شہریوں میں مزاحمت اور اس کے حکمرانی کے خلاف غصے کو بھڑکانے کی اندرونی کوششوں کو محسوس کیا، جیسا کہ جولائی 2023 کے "بدنا نعیش" احتجاجات میں دیکھا گیا، جو کہ الاقصی طوفان کے حملے سے تین ماہ قبل ہوئے تھے۔

لہذا، تحریک کے رہنماؤں نے بارہا اس بات پر زور دیا کہ اگر کوئی دھماکہ ہوگا تو وہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس کے مستحق ہیں، مزاحمت پر نہیں۔ اسی بات کی تصدیق باسم نعیم نے واشنگٹن پوسٹ کے ساتھ ایک گفتگو میں کی، جس میں ایک ماہ قبل الاقصی

طوفان سے خبردار کیا کہ اگر دنیا نے فلسطینیوں کے مطالبات کو نظر انداز کیا تو "زلزلہ" برپا ہو سکتا ہے۔



السنوار میں ایک گہری امید ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو "وعد الآخرة" یعنی مسجد الاقصیٰ اور فلسطین کی آزادی کو مکمل کرنے میں شامل ہوں۔ یہ ان کی دعا میں عیاں ہوتا ہے: "اللهم أنفذ بنا قدرك فيهم بالزوال والتدمير، اللهم حقق بنا آمال شعبنا في العودة والتحرير" اے اللہ! ان کے بارے میں اپنا فیصلہ ہمارے ذریعے زوال اور تباہی کے ساتھ نافذ کر، اے اللہ! ہمارے ذریعے ہمارے لوگوں کی امیدیں پوری کر، ان کی واپسی اور آزادی کی۔ جس سے وہ اپنی ملاقاتوں کا آغاز کرتے ہیں۔ اپنی آزادی کے ایک ماہ بعد، اکتوبر 2011 میں،

السنوار نے اپنی چار بہنوں کی منصوبے کے تحت شادی کی، اور بچے پیدا کیے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: "شاید اسرائیل ان میں سے بعض کو قتل کرے، بعض کو گرفتار کرے، اور باقی انتقام لینے کے لئے زندہ رہیں گے۔"

السنوار کے نزدیک دنیا میں ایک دشمن ہے اور کئی دوست ہیں۔ ان کے لئے اصل دشمن اسرائیل ہے، اور باقی سب ممکنہ دوست ہیں۔ اس میں فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس سے لے کر یمن میں انصار اللہ کے رہنما عبد الملک الحوثی اور ایران کے سپریم لیڈر شامل ہیں۔ لیکن بین الاقوامی تبدیلیاں، معاہدات ابراہیم، جنہوں نے اسرائیل کے اتحادیوں کو بڑھا دیا ہے، اور پناہ گزینوں کی واپسی، القدس اور مسجد الاقصیٰ کی آزادی کو ختم کرنے کی کوششوں نے انہیں قربانی اور جدوجہد کا انتخاب کرنے پر مجبور کیا تاکہ اس مسئلے کو زندہ رکھا جاسکے۔

اگرچہ مزاحمت کو السنوار کی شخصیت نہیں کہا جاسکتا، لیکن السنوار کا انداز مزاحمت کا حقیقی ترجمان ہے۔ جو چیز طاقت سے چھینی گئی ہے، وہ صرف طاقت سے واپس لی جاسکتی ہے۔ اگر السنوار نے اپنے دشمنوں کو غصے میں مبتلا کرنے میں ایک اہم مقام حاصل کیا ہے اور فلسطینی تاریخ میں سب سے نمایاں رہنماؤں میں سے ایک بن گئے ہیں، تو یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے پیچھے کئی اور لوگ ہیں جو اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اور یہ ثابت کرتا ہے کہ مزاحمت کی جدوجہد اب بھی زندہ ہے۔ جو بھی

شدت، سختی، یا جفاکشی السنوار کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ خواب کی حدوں کو توڑنا اور ان لوگوں کو امید دینا ہے جو عدل اور آزادی پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک دن یہ سراب ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ ان کے دوست نے پہلے کہا تھا، انہوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ سلاخیں توڑی جاسکتی ہیں۔